عمیرہ احمد

آبِ حیات

حسن جہاں سے زندگی میں ایک غلطی سرزد ہوئی۔ لیکن وہ بھی معاف نہیں کی گئی، وہ بار بار خط لکھ کر اپنی غلطی کی معافی مانگتی ہے۔

ایک بچہ تواتر سے اللہ تعالیٰ کو خط لکھتا ہے اور اسے ایک درخت کے تنے میں رکھ دیتا ہے۔ وہ جواب کا منتظر ہے، ایک دن ماں بتاتی ہے کہ اس کے خط کا جواب آ گیا ہے۔

ایک بوڑھا خطاط آیت کی خطاطی کر رہا ہے۔ یک دم اس پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اسے اپنے گرد روشنیوں کا ہالہ رقصاں نظر آتا ہے۔

قلب مومن انڈسٹری کا کامیاب ترین ڈائریکٹر ہے۔ اسے خود پر، اپنی صلاحیتوں پر پورا اعتماد ہے۔

مومنہ سلطان ایک باصلاحیت فنکارہ ہے لیکن اسے اب تک اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے کوئی موقع نہیں ملا ہے۔ انڈسٹری میں ہیروئنیں اس کے ٹیلنٹ سے خائف ہیں، وہ اسے آگے نہیں آنے دیتیں۔

مومنہ کا باپ سلطان میک اپ آرٹسٹ ہے۔ وہ اداکارہ حسن جہاں کا میک اپ مین رہ چکا ہے اور اس کا بہت بڑا

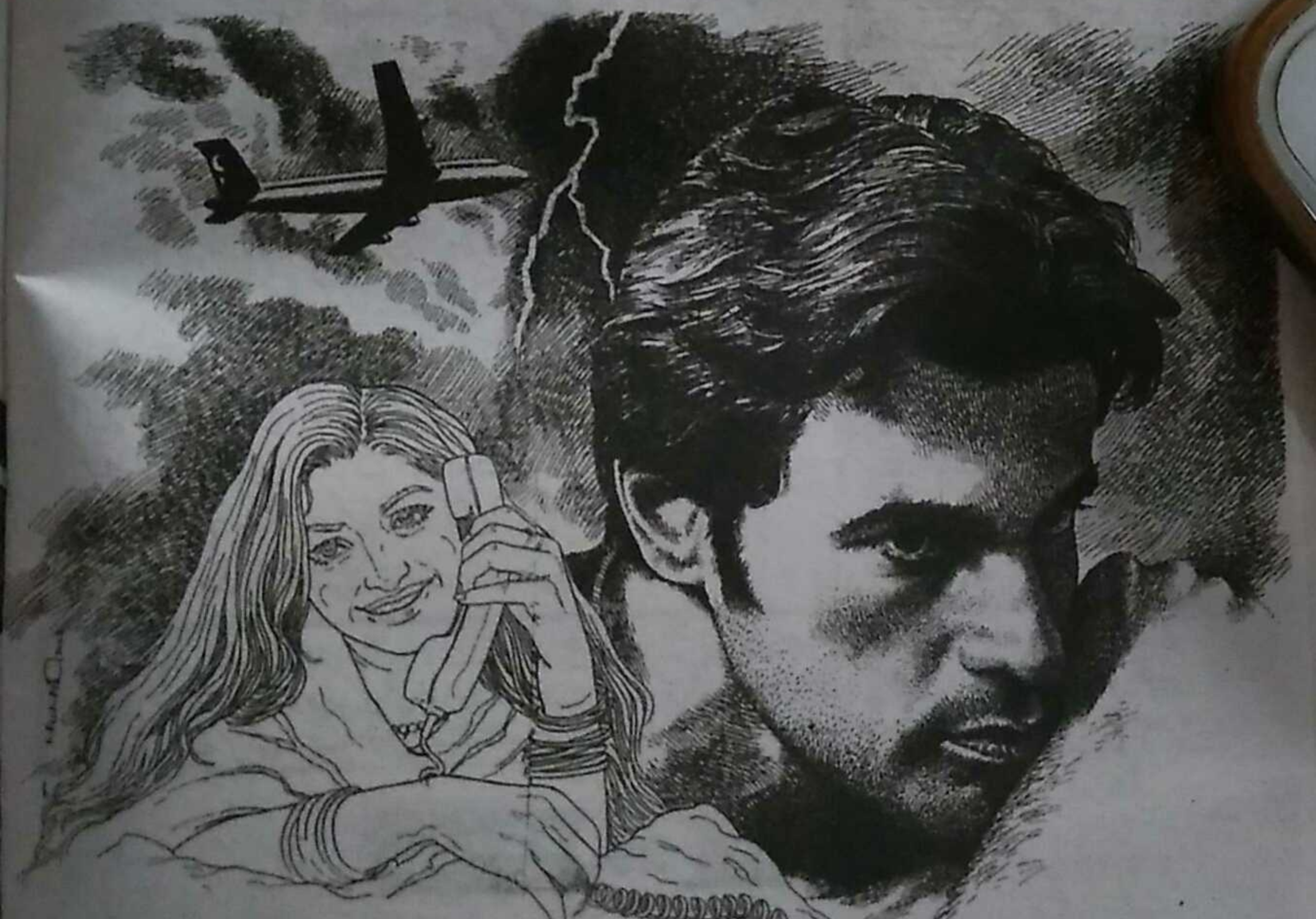

مداح ہے۔ اب بیماری کی وجہ سے انڈسٹری سے آؤٹ ہے۔ مومنہ کی ماں ثریا بھی اپنے وقت کی اداکارہ ہے۔ اب انڈسٹری نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ مومنہ کے اکلوتے بھائی جہانگیر کے گردے جواب دے چکے ہیں، وہ ڈائیلاسس پر ہے۔ گردے کے ٹرانسپلانٹ کے لیے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ مومنہ فلموں میں کام نہیں کرنا چاہتی۔ اسے فلم انڈسٹری پسند نہیں ہے لیکن مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔

قلب مومن نئی فلم بنانے کا اعلان کرتا ہے تو داؤد مومنہ کی سفارش کرتا ہے۔ وہ آڈیشن کے لیے قلب مومن کے پاس جاتی ہے تو قلب مومن اس کا دوپٹا اتارنے کے لیے کہتا ہے۔ مومنہ انکار کر دیتی ہے تو وہ اسے اسٹوڈیو سے نکل جانے کے لیے کہتا ہے۔

مومنہ باہر نکل جاتی ہے تو اس کو یاد آتا ہے کہ وہ جہانگیر کی میڈیکل ٹیسٹوں کی فائل اسٹوڈیو میں بھول آئی ہے۔ وہ لوٹ کر جاتی ہے تو قلب مومن اس کے ساتھ بہت ہتک آمیز انداز میں پیش آتا ہے جواباً مومنہ بھی کوئی لحاظ نہیں کرتی اور اسے کھری کھری سنا کر آئینہ دکھا دیتی ہے۔

وہ کہتی ہے کہ تمہارا کام چیپ اور تم اس سے زیادہ چیپ ہو، عورت کا جسم دکھا کر جو تم آرٹ کی خدمت کر رہے ہو، میں اس کا حصہ نہیں بننا چاہتی۔

طلحہ عبدالعلی اپنے باپ کو خط لکھتا ہے اور اس میں معذرت کے ساتھ اپنی تکلیف بھی بیان کرتا ہے۔ ان سے کہتا ہے کہ وہ طلحہ کو معاف کریں گے تو ہی اللہ اسے معاف کرے گا۔

قلب مومن کو اس کی ماں ایک خط دیتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ خط اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ خط پڑھنے پر اسے علم ہوتا ہے کہ یہ خط اللہ نے نہیں اس کے دادا عبدالعلی نے لکھا ہے وہ اس سے ملنے آ رہے ہیں۔

احسن جہاں کو جب اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کا شوہر بھی واپس آ رہا ہے تو وہ خوب سج سنور تی ہے اور بے تحاشا خوش ہوتی ہے۔ قلب مومن اپنی ماں کو اس طرح دیکھ کر مبہوت رہ جاتا ہے۔ اور ماں سے فرمائش کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی ہی رہے۔

مومنہ کو اس کی ماں سمجھاتی ہے کہ اسے عقل کرنی چاہیے تھی اور یوں انکار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جہانگیر اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ ایک دن ضرور سپر اسٹار بنے گی۔ جبکہ مومنہ اداکارہ نہیں بننا چاہتی۔ اسے خطاطی سے دلچسپی ہے۔ مومنہ اپنی انا کو مار کر اپنی دوست سے کہتی ہے کہ وہ ایک بار پھر داؤد سے بات کر لے۔ شاید قلب مومن اسے موقع دے دے، جہانگیر کی دن بدن بگڑتی حالت اسے مجبور کر دیتی ہے کہ وہ قلب مومن سے کام مانگے۔

جبکہ دوسری جانب مومن نیہا کو پرپوز کرتا ہے اور ایک بے حد قیمتی انگوٹھی اسے پہناتا ہے۔ قلب مومن کے گھر ہونے والی ایک اور پارٹی میں پوری انڈسٹری مدعو ہوتی ہے۔ لیکن اچانک ملازم کسی نئے مہمان کو اپنے ساتھ لے کر آتا ہے جسے دیکھ کر قلب مومن ساکت رہ جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

تیسری قسط

"میرے پیارے اللہ!

آپ کیسے ہیں؟

میرا نام قلب مومن ہے۔ میری عمر آٹھ سال ہے اور میں اپنی ممی کے ساتھ رہتا ہوں۔

آپ مجھے جانتے ہیں نا کیونکہ آپ نے مجھے پیدا کیا۔ لیکن میں پھر بھی آپ کو اپنی ایک تصویر بھیج رہا ہوں تاکہ میں آپ کو یاد آ جاؤں۔

آپ نے اتنے بہت سارے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ مجھے بھول گئے ہوں حالانکہ ممی کہتی

ہیں۔ ہم تو اللہ کو بھول سکتے ہیں، لیکن اللہ ہمیں کبھی نہیں بھولتا۔

آپ کو بہت سارے لوگ خط لکھتے ہوں گے..... میں سوچتا ہوں آپ اتنے سارے خط کیسے پڑھتے ہوں گے..... پر ممی کہتی ہیں آپ اپنا ہر خط پڑھتے ہیں..... وہ بھی خود.....

مجھے یہ نہیں پتا کہ آپ کہاں رہتے ہیں لیکن ممی کہتی ہیں آپ وہاں رہتے ہیں جہاں کوئی نہیں رہتا..... آسمان پر..... میں تو آسمان تک نہیں جا سکتا لیکن آپ کو خط یہاں سے بھیج رہا ہوں کیونکہ آپ تو اپنی ڈاک ہر جگہ سے لے لیتے ہیں..... یہ بھی مجھے ممی نے ہی بتایا۔

میرا خط جلدی سے پڑھ لیں اور پھر مجھے خط کا جواب بھیجیں۔ مجھے آپ سے ایک کام ہے..... اور یہ کام کوئی اور نہیں کر سکتا۔ آپ میرے خط کا جواب بھیجیں گے تو پھر اگلے خط میں آپ کو وہ کام بتاؤں گا۔

میں نے خط پر (ارجنٹ) بھی لکھا ہے تا کہ آپ خط جلدی سے پڑھ لیں لیکن ممی کہتی ہیں، ہر کام صبر سے کرنا چاہیے کیونکہ صبر کرنا نیکی ہے، میں بھی صبر سے آپ کے خط کا انتظار کروں گا، تا کہ ایک نیکی بھی کر لوں کیونکہ ممی نے مجھے بتایا ہے، آپ کو نیکیاں اچھی لگتی ہیں۔ مجھے بھی اچھی لگتی ہیں۔

میرے پاس ایک ڈائری ہے جس میں، میں ہر روز اپنی ہر نیکی لکھتا ہوں..... اور اُسی ڈائری میں اپنے گناہ بھی لکھتا ہوں۔

ممی کہتی ہیں۔ اس طرح کرنے سے مجھے یاد رہے گا کہ میں ہر روز اچھے کام زیادہ کرتا ہوں کہ بُرے کام۔

میں روز رات کو اپنی ڈائری چیک کرتا ہوں اور اگر بُرے کام زیادہ کیے ہوں تو پریشان ہوتا ہوں۔

ممی کہتی ہیں اگر میں توبہ کر لیا کروں تو میرے بُرے کام اور گناہ غائب ہو جائیں گے۔

میں ہر روز ایسا ہی کرتا ہوں۔ توبہ کر کے سوتا ہوں تو صبح میری ڈائری خالی ہوتی ہے۔ ممی کہتی ہیں وہ آپ کے کہنے پر ربر سے میرے سارے گناہ مٹا دیتی ہیں۔

تھینک یو فار دیٹ۔

آپ بہت اچھے ہیں۔ اب آپ تھک گئے ہوں گے۔ میں بھی تھک گیا ہوں۔ آپ آرام کریں، میں بھی سونے جا رہا ہوں۔

آپ کا قلب مومن!"

☆☆☆

دروازے کے باہر جو شخص کھڑا تھا اُسے مومن نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اگر کبھی دیکھا بھی تھا تو اپنے باپ کی دکھائی ہوئی کسی تصویر میں اُس کا چہرہ اور اس کے سر داڑھی کے بال ایک جیسے سفید تھے۔ بہت ہلکی داڑھی، بہت گھنے سر کے بال اور بڑھاپے میں بھی ہیرے کی کنی جیسی چمکتی خوب صورت شہد رنگ آنکھیں جو قلب مومن پر جمی تھیں۔ کسی مقناطیس کی طرح۔

"قلب مومن؟" قلب مومن نے اُس دراز قد بوڑھے آدمی کی زبان سے اپنا نام سُنا، ایک اشتیاق بھرے لہجے میں..... لیکن اُس نے جواب دینے کے بجائے اُس بوڑھے آدمی کے عقب میں اپنے باپ کے وجود کو کھوجنے کی کوشش کی۔

وہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف وہی بوڑھا شخص تھا اور اُس کا ایک بیگ۔ قلب مومن نے بے اختیار پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا۔ اُس کے چہرے پر اور آنکھوں میں اُسے وہی مایوسی نظر آئی جو اُس کے اپنے چہرے اور آنکھوں میں تھی۔

"مومن! تمہارے دادا....." اُس نے ماں کو بالآخر کچھ بولتے سُنا۔ وہ اب اُس کا ہاتھ پکڑے اُس شخص کی

طرف بڑھا رہی تھی۔ مومن نے سر اُٹھا کر ماں کو دیکھا پھر سامنے کھڑے اُس شخص کو جواب پنجوں کے بل اُس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے، اُسے دیکھتے ہوئے۔

''میرے بابا کہاں ہیں؟'' اُس نے اُس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھا تھا۔

''وہ میرے پاس نہیں ہے۔'' مومن کے سوال کا جواب اُس نے مومن کو نہیں دیا۔ اُس کے عقب میں کھڑی حسنِ جہاں کو دیا تھا۔

''وہ میرے پاس کبھی نہیں آیا.....'' اُس نے اس بار وہ جملہ قلبِ مومن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ قلبِ مومن کو لگا اُس کے پیچھے کھڑی حسنِ جہاں پیچھے ہٹی ہے، بے اختیار گردن موڑ کر اُس نے ماں کو دیکھا۔ وہ واقعی اب اُس کے پیچھے نہیں تھی۔ وہ دروازے کی چوکھٹ سے پشت لگائے کھڑی تھی، یوں جیسے اپنے آپ کو سہارا دے رہی ہو۔ مومن نے پلٹ کر اُس بوڑھے شخص کی آنکھوں میں بھر آنے والے پانی کو حیرت سے دیکھا۔ وہ کیوں رو رہا تھا اُسے خود سے لپٹا کر..... کیوں.....

اُس کے سینے سے لگے، اُس کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کی نمی کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے بھی مومن کو بے تاب کرنے والا واحد خیال اور احساس ماں کا تھا۔ عبدالعلی سے ملنے والا پہلا لمس اُس نے ''محسوس'' ہی نہیں کیا تھا۔

''ڈیڑھ سال ہونے والا ہے اُسے مجھے اور مومن کو چھوڑ کر گئے..... آپ کہتے ہیں، وہ آپ کے پاس نہیں آیا..... پھر وہ کہاں گیا؟''

اُس نے عبدالعلی کے ساتھ اندر کمرے میں آنے کے بعد حسنِ جہاں کے منہ سے یہ پہلا جملہ سُنا۔ اُس نے یہ جملہ عبدالعلی سے کہا تھا پھر اچانک اُسے مومن کا خیال آیا اور اُس نے مومن کو وہاں سے جانے کے لیے کہا۔

''مومن! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' اُس نے ماں کی تحکمانہ آواز سُنی اور ایک لفظ کہے بغیر وہ وہاں سے اندر کمرے میں آ گیا، مگر دروازے کی جھری کو بند کیے بغیر وہ اُس کمرے میں جھانکتا رہا۔ جہاں عبدالعلی اور حسنِ جہاں کھڑے تھے۔ وہ دونوں اس وقت اُسے ایک راز کی طرح لگ رہے تھے..... ایک معمّہ..... جسے وہ حل کر کے اپنے باپ تک پہنچنا چاہتا تھا مگر وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے چُپ تھے۔

''آپ بیٹھیں۔'' اُس نے حسنِ جہاں کو کہتے سُنا اور عبدالعلی کو ایک کُرسی پر بیٹھتے دیکھا، وہ دیواروں پر لگی طہٰ کی بنائی ہوئی خطاطی دیکھ رہا تھا۔

''آپ کہتے ہیں، وہ آپ کے پاس نہیں آیا پھر وہ کہاں آ گیا؟'' اُس نے بالآخر حسنِ جہاں کو بولتے دیکھا۔ وہ آگے آئی اور عبدالعلی کے قدموں میں بیٹھ گئی تھی اُس نے عبدالعلی کے پاؤں کو چھو کر روتے ہوئے کہا۔

''اب بس..... جو بھی سزا ہے..... کاٹ لی میں نے..... اس سے کہیں، معاف کر دے مجھے.....''

دروازے کی جھری سے اندر جھانکتے قلبِ مومن کا وجود پتے کی طرح لرزنے لگا۔ اُسے ماں کا کسی کے سامنے جھکنا اچھا نہیں لگا، کسی کے سامنے بھی۔

عبدالعلی بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھے تھے۔ انہوں نے حسنِ جہاں کے سر پر ہاتھ رکھا پھر روتی ہوئی حسنِ جہاں کو بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھایا۔

''تم میرا یقین کرو بیٹا، وہ میرے پاس نہیں آیا..... ڈیڑھ سال وہ میرے پاس رہتا اور میں اُسے تم دونوں کے بغیر رہنے دیتا..... میں بے رحم نہیں ہوں..... اتنا تو نہیں ہوں.....'' اُس نے عبدالعلی کو عجیب بے چارگی کے عالم میں کہتے سُنا۔

''پھر کہاں گیا ہے وہ.....؟ میرے پاس نہیں .....آپ کے پاس نہیں تو کہاں ہے وہ.....'' حسنِ جہاں اب عجیب ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔

قلبِ مومن نے دروازے کی جھری کو بند کردیا۔ اُس سے اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھا نہیں جارہا تھا۔ وہ اتنے دن نہیں روئی اور آج رو رہی تھی تو.....آخری جملہ جو اُس نے عبدالعلی کو کہتے سُنا تھا وہ ایک ہی تھا۔

''میں اُس کو ڈھونڈوں گا.....شاید وہ قونیہ چلا گیا ہو.....اپنے درویش ساتھیوں کے پاس۔'' یہ وہ آخری جملہ تھا جو مومن نے اُن دونوں کی گفتگو کا سُنا تھا۔ وہ اُس وقت بے حد رنجیدہ تھا۔ بے حد ناراض، بہت اُداس..... اور وہ کسی بھی کیفیت کو سمجھ نہیں پارہا تھا.....اُسے بس رونا آرہا تھا بالکل اُسی طرح جیسے اُس نے حسنِ جہاں کو روتے دیکھا تھا.....ہچکیوں کے ساتھ۔

اپنے بستر پر بیٹھ کر اُسے وہ کھانا یاد آیا جسے بنانے کے لیے اس کی ماں کل سے تیاریاں کررہی تھی.....وہ خوب صورت کیک جسے اُس نے پوری فیملی کے ساتھ کاٹنے کے لیے بنایا تھا۔

ہچکیوں سے روتے ہوئے اُس نے سوچا تھا کہ یہ ٹھیک نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو اُس کے بابا کو بھیجنا چاہیے تھا۔ دادا کو کیوں بھیجا اُنہوں نے۔ دادا کو تو نہیں بلوایا تھا اُس نے۔ وہ خفگی سے روتے ہوئے ساتھ ساتھ سوچ رہا تھا۔

''مومن.....'' دروازہ یک دم کھلا اور اُس کی ماں اُس سے کچھ کہتے کہتے رُک گئی پھر بے قراری کے عالم میں اُس کے پاس آئی۔

''تم رو کیوں رہے ہو؟'' اُس نے مومن کے پاس بیٹھ کر اُسے لپٹایا۔

''بابا کیوں نہیں آئے.....اُنہیں آنا چاہیے تھا.....'' وہ روتے ہوئے ماں سے لپٹا تھا۔

''وہ آجائیں گے.....'' اُس نے ماں کی تسلی پر بے ساختہ سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ سرخ ناک، سرخ آنکھوں کے ساتھ بھی وہ مسکرانے کی کوشش کررہی تھی۔

''انہوں نے آپ کو بتایا ہے کیا؟'' مومن ایک لمحے کے لیے رونا بھولا تھا۔

''ہاں، تم آجاؤ.....کھانا کھاؤ.....تمہارے دادا تمہارا انتظار کررہے ہیں۔'' اُس نے ماں کو نظریں ملائے بغیر کہتے سُنا تھا۔ وہ اُٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

''میں دادا سے کیوں ملوں.....؟ مجھے اُن کے ساتھ کھانا نہیں کھانا.....'' اُسے اس وقت دادا کے علاوہ کوئی اور بُرا نہیں لگ رہا تھا۔ حسنِ جہاں ٹھٹھکی پھر اُس نے اُس سے کہا۔

''دادا کو تو اللہ نے بھیجا ہے.....تم پھر بھی خفا رہو گے اُن سے؟'' وہ لمحے میں موم ہوا تھا۔ اُس کی ماں بلیک میلر تھی۔ جو کام وہ کسی کے کہنے پر نہیں کرتا تھا، اُس سے اللہ کا نام لے کر کروالیتی تھی۔

''میں بس کھانا کھاؤں گا، بات نہیں کروں گا۔'' اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے اُس نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

''اور جب تمہارے بابا آئیں گے اور اُنہیں پتا چلے گا کہ تم نے دادا سے بات نہیں کی تو وہ تم سے خفا ہوں گے.....تم اُن کو خفا کرنا چاہتے ہو؟'' اُس کی ماں نے اب دوسرا ہتھیار استعمال کیا۔ مومن چت ہوا تھا۔

''بابا کب آئیں گے؟'' اُس نے بے قراری سے ماں سے پوچھا۔

''جلد ہی۔'' اُس نے ماں کی پشت دیکھی۔ وہ اب بیرونی دروازے کی طرف جارہی تھی مگر جانے سے پہلے مومن نے اُسے وہ سارا زیور اُتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے دیکھا جو وہ اُس کے باپ کے لیے پہنے ہوئے تھی..... سب کچھ..... ہار جھمکے، انگوٹھیاں، چوڑیاں، بالوں میں لگائی ہوئی پھول دار چمکتی ہوئی سنہری

سوئیاں..... مومن نم آنکھوں کے ساتھ اُس کو سب کچھ اُتارتے دیکھتا رہا۔ وہ منظر اُس کے ذہن پر جیسے نقش ہو گیا تھا۔

"ممی۔" اُس نے ماں کو جیسے تکلیف میں مخاطب کیا تھا۔ حسنِ جہاں نے گردن موڑ کر عجیب خالی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"آپ مجھے ایسے بھی اچھی لگتی ہیں۔"

حسنِ جہاں کی آنکھیں پانی سے اور ہونٹ مسکراہٹ سے لرزے تھے۔

وہ مرہم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے رستے ہوئے زخم پر۔ قلبِ مومن نے ماں کو سر جھکاتے ہوئے دیکھا۔ اُسے تب بھی یہ اندازہ تھا کہ وہ آنسو چھپانا چاہتی ہے وہ ہمیشہ روتے ہوئے اسی طرح سر جھکا کر اُس سے آنسو چھپایا کرتی تھی۔

"ہم کل تمہارے بابا کو ڈھونڈنے جا رہے ہیں۔ تم دعا کرنا وہ مل جائیں۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں جیسے قلبِ مومن کے سامنے دل کھول دیا تھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر قلبِ مومن نے دونوں ہاتھ دعا کی شکل میں جوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔

"مل جائیں..... مل جائیں..... ممی کو بابا جلدی مل جائیں۔" اُس کے ہونٹوں کی حرکت کو کوئی بھی پڑھ لیتا۔ حسنِ جہاں کو عجیب احساسِ جرم ہوا۔ وہ کس عمر میں اُس سے کیا کروا رہی تھی..... بے چارگی سی بے چارگی تھی..... بے بسی سی بے بسی۔

"مل جائیں گے....." مومن نے اب آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے ماں کو اطلاع دی۔ حسنِ جہاں بھی مسکرائی اور اُس کے لیے بانہیں پھیلائیں۔ وہ آ کر لپٹ گیا۔ قلبِ مومن کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ ہر بات پوری ہوتی تھی۔ حسنِ جہاں کو یقین نہیں اعتماد تھا۔

اُس سے لپٹے قلبِ مومن کو یاد آیا اُس نے ماں کو وہ خواب نہیں سنایا تھا جو اُس نے پچھلی رات دیکھا تھا۔

☆☆☆

اگلے کئی دن قلبِ مومن، عبدالعلی اور حسنِ جہاں کے ساتھ جگہ جگہ پھرتا رہا۔ ایک شہر سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے۔ اُس کے باپ کا کہیں کوئی نام و نشان نہیں ملا تھا۔ یوں جیسے وہ کہیں غائب ہو گیا ہو۔ حسنِ جہاں کی انگلی پکڑے مومن زندگی کے ایک نئے چہرے سے روشناس ہو رہا تھا۔ اُمید سے، نا اُمیدی سے، آس سے، آس کے ٹوٹنے سے اور کفر سے جو انہیں سرحدوں کے بیچوں بیچ کہیں اُڑتا پھرتا ہے۔

☆☆☆

جنگل میں وہ لیٹر باکس ویسے کا ویسا ہی پڑا تھا..... تنہا..... مومن کی طرح..... اُداس..... وہ بھی مومن کی طرح..... اُس نے سائیکل زمین پر لٹا دی..... وہ ایک بار پھر خط لے کر آیا تھا۔

لیٹر باکس میں خط ڈالنے کے بعد بھی وہ عجیب اُداسی کے عالم میں لیٹر باکس کے سامنے کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ اس خط کو وہاں ڈال دینے کے بعد کیا کرے اُس دن پہلی بار اُس نے سوچا تھا آخر اللہ تعالیٰ کو خط کتنے دن بعد میں ملتا ہے..... اور وہ کتنی دیر میں پڑھتے ہیں اور پھر جواب کے لیے اُنہیں کتنا وقت چاہیے۔ وہاں کھڑا وہ اپنے حساب کتاب کی ساری صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے جمع تفریق کرتا رہا۔ حل کچھ نہیں نکلا تھا۔ اللہ کی مرضی جب چاہے خط لے، جب چاہے پڑھے، جواب دے نہ دے، اُسے کسی نے جیسے وسوسے کی شکل میں بتایا تھا۔ قلبِ مومن وہاں کھڑا جنگل کو دیکھتا رہا اُسے اب وہاں سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ وہ وہا

اتنی بار آچکا تھا کہ ہر درخت کو پہچان سکتا تھا۔ پتوں کی سرسراہٹ کو بھی پرندوں کی چہچہاہٹ کو بھی۔

"باقی سارے خطوں کا جواب دیر سے دے دیں۔ اُن سب خطوں کے جو میں آئندہ کبھی آپ کو لکھوں گا لیکن اس خط کا جواب جلدی دے دیں..... پلیز..... پلیز اللہ۔"

اُس نے بلند آواز میں یک دم پکارا تھا اُس کی آواز بازگشت کی طرح اُن بلند درختوں کے درمیان گونجتی۔ بہت دور تک گئی تھی۔ قلب مومن کو یک دم لگا۔ اُس کی دُعا پھر قبول ہوئی تھی۔ وہ بے حد مطمئن سائیکل اُٹھا کر بھاگتا جنگل سے باہر آ کر اُس پر سوار ہوا تھا۔

☆☆☆

اپنے گھر کے باہر اُس نے ایک مجمع دیکھا تھا اور ایک ایمبولینس۔ وہ ابھی گھر سے بہت دور تھا مگر پھر بھی اُسے لگا۔ وہ اُسی کا گھر ہے جہاں وہ سب لوگ کھڑے تھے، خاموش..... وہ سمجھ نہیں سکا۔ کیا بابا آئے تھے۔ اُس نے سائیکل تیز تیز چلانی شروع کر دی تھی۔ خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے..... اُس کے خط کا جواب آ گیا تھا اور اتنا جلد..... اتنا "آئی لو یو اللہ" اُس نے سائیکل دوڑاتے ہوئے بلند آواز میں کہا اور پھر اُس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دیکھا..... بیک وقت..... اور اُس خاموشی کو محسوس کیا جو اُس کے گھر پر چھائی ہوئی تھی اور اُس اسٹریچر کو دیکھا جو کسی کو گھر سے باہر لا رہا تھا اور مومن کی سائیکل پھسلی تھی۔

☆☆☆

آخری چیز جس کی قلب مومن نے کبھی توقع کی تھی وہ اپنے دادا کے سامنے اس مجمع کے درمیان اس حالت میں دیکھا جانا تھا۔ مگر اُس کی زندگی میں اکثر وہ ہوتا تھا جس کی اُسے توقع بھی نہیں ہوتی تھی۔

اپنے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو بے حد آہستگی سے پاس آتے ہوئے ویٹر کی ٹرے میں رکھتے ہوئے قلب مومن اُس ساکت و صامت حیرت زدہ بوڑھے کی طرف گیا تھا جو وہاں یوں کھڑا تھا جیسے کوئی بچہ راستہ بھول کر کسی جنگل میں آ نکلا ہو۔

"آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں اپنے آنے کا۔" اُن سے لپٹتے ہوئے قلب مومن نے بلند آواز میں اُن کے کان میں کہا۔ وہاں میوزک کا شور اتنا تھا کہ اُسے اونچی آواز میں بولنا پڑ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں خط لکھا تھا..... شاید تمہیں ملا ہی نہیں۔" اُس کے برعکس اُس کے دادا نے سرگوشی ہی کی تھی اور قلب مومن نے اُن کی سرگوشی بھی سن لی تھی۔ اُن سے الگ ہوتے ہوئے اُن سے نظریں ملائے بغیر اُس نے شکور کے ہاتھ میں پکڑا اُن کا سامان دیکھا اور پھر اُس سے کہا۔

"دادا کو گیسٹ روم میں لے جاؤ میں آتا ہوں۔"

شکور کو بروقت اُس کی مشکل اور صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا۔ "جی جی..... میں لے کر جاتا ہوں..... آئیں دادا جی۔"

شکور اُنہیں لے کر ایک دوسرے کوریڈور کی طرف گیا تھا اور قلب مومن نے عبدالعلی کو کسی اعتراض اور تامل کے بغیر شکور کے پیچھے جاتے دیکھا۔ یوں جیسے وہ بھی یہ چاہتے ہوں کہ مومن کو اس مشکل سے نکالنے کے لیے اُس کی مدد کریں۔

وہاں کھڑے قلب مومن نے میوزک کی دھن پر ناچتے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گزرتے عبدالعلی کو عجیب ندامت اور شرمساری سے دیکھا۔ ندامت اور شرمساری اُسے کس لیے محسوس ہو رہی تھی وہ یہ بوجھ نہیں سکا۔

گیسٹ روم کے کھلے دروازے سے اندر جانے سے پہلے مومن نے دادا کو پلٹتے دیکھا۔ یوں جیسے وہ جانتے تھے

کہ وہ اُنہیں ہی دیکھ رہا ہے وہیں کھڑا ہے۔ دونوں کی نظریں ملیں مومن نے نظریں چُرائیں پھر جب اُس نے دوبارہ گیسٹ روم کے دروازے کو دیکھا تو وہ بند ہو چکا تھا۔ دادا اندر جا چکے تھے۔

"یہ کون تھے؟" نیہا لپکتی اُس کی طرف آئی تھی۔

"میرے دادا۔" قلبِ مومن کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"دادا؟" نیہا کو جیسے کرنٹ لگا۔ "تم نے کبھی بتایا ہی نہیں کہ تمہارا کوئی فیملی ممبر بھی ہے۔" وہ بھونچکا ہو کر اُس سے بولی تھی۔

"ہاں بس یہی ہیں۔" مومن نے جیسے خود کو سنبھالا۔

"ملواؤ مجھے۔" نیہا نے یک دم اصرار کیا۔

"نہیں آج نہیں، پھر کسی دن ملواتا ہوں..... سفر کر کے آئے ہیں آج، تھکے ہوئے ہوں گے۔" قلبِ مومن نے کہا۔

"میرے بارے میں کچھ تو بتایا ہوگا اُنہیں؟" نیہا کریدے بغیر نہیں رہ سکی۔

"بہت کچھ۔" قلبِ مومن نے مسکرا کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا اور اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کمال اعتماد سے جھوٹ بولا۔

اُسے اب اس پارٹی کا کچھ کرنا تھا..... مگر کیا کرنا تھا یہ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

گیسٹ روم میں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا اُنہیں ہمیشہ ملتا تھا سوائے دیوار پر لگی اُس نیوڈ پینٹنگ کے جو پہلے وہاں نہیں لگی ہوتی تھی۔ عبدالعلی کی نظر اُس کمرے میں آنے کے بعد سب سے پہلے اُس پینٹنگ پر ہی پڑی تھی اور وہ ٹھٹک گئے تھے۔ شکور کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اب اُن کا سامان رکھ رہا تھا۔ اُس نے دادا کو دیوار پر لگی اُس پینٹنگ کی طرف متوجہ ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ دروازہ بند ہوتے ہی باہر گونجتا شور یک دم ہلکا ہوا۔

"اس دفعہ آپ بہت دیر بعد آئے دادا جان۔" شکور نے اُن کا بیگ اور وہ فریم رکھتے ہوئے کہا۔ جسے بڑی حفاظت سے پیک کیا گیا تھا۔

"ہاں بس دیر ہو گئی اس بار۔" عبدالعلی نے گہرا سانس لے کر اُس پینٹنگ سے نظریں ہٹا لیں۔

"وضو کریں گے آپ؟" شکور کو سامان رکھتے ہی خیال آیا۔

"ہاں، نماز رہتی ہے ابھی میری۔" دادا نے اپنی آستین کے کف کھولتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ پھر انہوں نے اُس پینٹنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے یہاں میری کیلی گرافی لگی ہوئی تھی۔"

"ہاں۔ وہ تو ہر بار آپ کے آنے سے پہلے لگواتے ہیں مومن بھائی..... اسٹور روم سے نکلوا کر..... اس بار آپ کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ میں چیل دیکھ لوں..... ہے بھی کہ نہیں۔" شکور کے جواب نے عبدالعلی کو چند لمحوں کے لیے بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ شکور نے اُن کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ہونقوں والے انداز میں کچھ عجلت کے عالم میں باتھ روم کے باہر ڈریسنگ روم میں گیا پھر ہڑبڑاتا ہوا باہر آیا۔

"مصلیٰ ڈھونڈ لوں ذرا..... پتا نہیں ہے بھی کہ نہیں۔" اُسے ایک نئی پریشانی لاحق ہوئی تھی۔

"میرے پاس ہے میرا مصلیٰ۔ تم فکر نہ کرو، جا کر مہمانوں کو دیکھو، اُنہیں ضرورت ہوگی تمہاری۔" عبدالعلی نے بے حد نرمی سے اُسے ٹوکا۔ پھر وہ باتھ روم میں چلے گئے۔ شکور اسی طرح بڑی احتیاط سے کمرے کا دروازہ

کھولتا اور بند کرتا وہاں سے باہر آ گیا۔

☆☆☆

اپنے آخری مہمان کو رخصت کرنے کے بعد مومن سیدھا دادا کے کمرے میں آیا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ سو چکے ہوں گے۔ بے حد خاموشی سے دروازہ کھول کر اُس نے کمرے میں جھانکا۔ وہ مصلّی بچھائے کمرے کے ایک کونے میں اُسے نظر آ گئے۔ وہ اُسی احتیاط سے دروازہ بند کرتے ہوئے اندر آیا تھا اور کچھ دیر کھڑا دادا کو دیکھتا رہا۔ اُن کی پشت اُس کی طرف تھی۔ شاید وہ اُس کی آمد سے بے خبر تھے۔ اور تب ہی قلبِ مومن کی نظر دیوار پر لگی اُن پینٹنگز پر پڑی اور وہ بے اختیار ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ اُس نے خواہش کی عبدالعلی کی نظر ان پینٹنگز پر نہ پڑی ہو لیکن وہ جانتا تھا یہ خواہش خوش فہمی سے بڑھ کر ہے۔ وہ آرٹسٹ تھے۔ یہ کیسے ممکن تھا اس کمرے میں آ کر ان دیواروں پر نظر ہی نہ دوڑائی ہوگی اُنہوں نے۔ کچھ کہے بغیر بے حد خاموشی سے قلبِ مومن نے دیواروں پر لگی اُن پینٹنگز کو ایک کے بعد ایک اُتار کر دیواروں کے ساتھ اُلٹ کر رکھنا شروع کیا تھا۔

''رہنے دیتے انہیں۔'' وہ عبدالعلی کی آواز پر یک دم چونکا۔ پتا نہیں انہوں نے کس وقت اپنی نماز ختم کی۔ قلبِ مومن بے حد غیر محسوس انداز میں اُن پینٹنگز کو وہیں چھوڑ کر سیدھا ہوتے ہوئے پلٹا۔ دادا مصلّے سے اُٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے اور اب اُس کی طرف متوجہ تھے۔ اُسی نرم، شفیق اور حلیم انداز میں جس میں وہ اُنہیں بچپن سے دیکھتا آیا تھا۔

''مجھے بہت افسوس ہے۔'' انہوں نے یک دم قلبِ مومن سے کہا۔

''کس بات کا؟'' وہ بے اختیار چونکا۔ یہ جملہ وہ بولنا چاہتا تھا اُن سے اور بول وہ رہے تھے۔

''میں غلط وقت پر آ گیا۔ تمہاری پارٹی خراب کر دی میں نے۔'' اُن کے لہجے میں واقعی رنج تھا۔ مومن نظریں نہیں ملا سکا۔ وہ ایسے ہی تھے ہمیشہ سے..... اُسے ہمیشہ عجیب احساسِ جرم میں مبتلا کر دیتے تھے۔

''نہیں، پارٹی تو ویسے ہی ختم ہو جانا تھی۔ آپ کے آنے نہ آنے سے کچھ فرق نہیں پڑا۔'' وہ کہتا ہوا صوفے پر بیٹھا۔

''میں نے خط لکھا تھا تمہیں، سوچا تھا مل گیا ہوگا لیکن شاید تمہیں نہیں ملا۔'' انہوں نے قلبِ مومن کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو ڈاک کے سسٹم کا تو پتا ہی ہے اسی لیے کہتا ہوں فون کیا کریں۔ خط تو کم ہی ملتے ہیں مجھے آپ کے۔'' اُس نے بے حد ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولا۔

''اور جہاں میں رہتا ہوں وہاں فون کے سگنلز اپنی مرضی سے آتے ہیں۔'' دادا نرمی سے ہنسے تھے۔

''اسی لیے آپ کے اور میرے درمیان رابطہ ٹوٹ گیا۔'' قلبِ مومن نے بے ساختہ کہا۔

''ٹوٹا تو کچھ بھی نہیں..... یہ خون کا رشتہ ہے قلبِ مومن..... فاصلہ آ گیا ہے بس اور مصروفیت۔''

''اور فاصلہ اور مصروفیت دونوں تعلق توڑ دیتے ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''آپ آرام کریں..... تھک گئے ہوں گے، صبح بات کرتے ہیں۔'' عبدالعلی اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر اُسے گلے لگا کر ماتھے پر بوسہ دیا۔ قلبِ مومن کے حلق میں ہمیشہ کی طرح کوئی چیز اٹکی تھی..... یہ جو جذباتیت تھی اس کا وہ شکار ہونا نہیں چاہتا تھا اور دادا اس دُنیا میں وہ واحد شخص تھے جو قلبِ مومن کے دل میں جو احساسات پیدا کرتے تھے، وہ اُن سے اگلی ملاقات تک چور بنا پھرتا رہتا تھا۔

''اللہ حافظ۔'' وہ جذباتیت کے اُس اظہار کے جواب میں یہی کہہ سکتا تھا سو یہی کہا۔ وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکلا تو لاؤنج میں اُس کی نظر اُس کنسول پر پڑی تھی جس کی درازوں میں دادا کے خطوں کے علاوہ کچھ

نہیں تھا اور وہیں وہ آخری موصول ہونے والا خط بھی تھا جس کے بارے میں وہ جھوٹ بول کر آیا تھا مگر اس کے علاوہ اُس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

اُس کا اور عبدالعلی کا رشتہ بے حد عجیب تھا۔ وہ جانتا تھا وہ اُس سے بے حد محبت کرتے تھے اور وہ بھی اُن سے ویسی ہی محبت کرتا تھا مگر اظہار نہ وہ کر پاتے تھے نہ قلبِ مومن..... کر پاتے اگر قلبِ مومن کی غیر جذباتیت ایک دیوار کی طرح دونوں کے درمیان حائل نہ ہوتی۔

''میں بورڈنگ میں پڑھنا چاہتا ہوں۔''

اُسے یاد تھا کہ اُس نے پہلی بار دادا سے کون سا بڑا مطالبہ کیا تھا..... اُس کا خیال تھا وہ اُسے سمجھائیں گے، روکیں گے، منائیں گے۔ یہ کہیں گے کہ وہ اُس کے بغیر اکیلے نہیں رہ سکتے وہ اپنے فیصلے کو بدل دے مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اُس کا مطالبہ پورا کر دیا تھا..... شاید وہ اُس زخم کو بھرنا چاہتے تھے جو قلبِ مومن کو لگا تھا یا پھر اپنے اُس احساس جرم کو مٹانے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ اس جرم کے شریک تھے۔

قلبِ مومن استنبول کے ایک بہت نامور بورڈنگ اسکول میں پڑھنے کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔ اُس نے اُس وقت دادا سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ یہ سب افورڈ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ وہ بورڈنگ اسکول پرائیویٹ تھا۔ اُن سے دور جا کر مومن کو جیسے عجیب سا قرار ملا تھا۔

اُس کا اگلا مطالبہ امریکہ میں فلم میکنگ پڑھنے کے لیے بھیجا جانا تھا اور عبدالعلی نے وہ مطالبہ بھی خاموشی سے پورا کر دیا تھا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ ایک پاکستانی دوست کے ساتھ بنائی جانے والی کمپنی قلبِ مومن کو امریکہ سے واپس ترکی لے جانے کے بجائے پاکستان لے آئی تھی اور عبدالعلی نے تب بھی کوئی اعتراض کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔

اگر زندگی میں قلبِ مومن کبھی کسی شخص کی خوبیوں کو سراہتا تھا تو وہ عبدالعلی ہی تھے مگر وہ کبھی اُن کے سامنے یہ اعتراف نہیں کر سکا تھا۔ اب اتنے سالوں سے وہ پاکستان میں رہ رہا تھا تو وہ بھی اُس کے پاس آنے جانے لگے تھے۔ قلبِ مومن نے کبھی بھی دادا سے جھوٹ بول کر اپنا لائف اسٹائل اُن سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جس طرح رہنا چاہتا تھا جو کرنا چاہتا تھا، ویسے ہی رہ رہا تھا۔ وہی کر رہا تھا۔ بہت کم عمری میں وہ امریکہ میں مالی طور پر عبدالعلی کا محتاج نہیں رہا تھا اور اس خودمختاری اور مالی آزادی نے اُسے ہر لحاظ سے آزاد کر دیا۔ رہی سہی کسر اُس کی فیلڈ اور اُس فیلڈ میں بہت کم وقت میں اُس کی قابلِ رشک حد تک حاصل ہو جانے والی کامیابی نے پوری کر دی تھی۔

وہ دادا کے ساتھ جیسی سیدھی اور سادہ زندگی گزارتا آیا تھا وہاں سے نکل کر وہ اُتنی ہی ''تیز رفتار'' زندگی گزار رہا تھا..... سب کچھ آج ہی کر جانے کا جنون..... ابھی ہی پا لینے کی دوڑ، سب سے بہتر ہونے کا خواب..... قلبِ مومن کی زندگی اُس بھاگ دوڑ کے علاوہ کچھ نہیں رہی تھی مگر اس سب میں بھی عبدالعلی سے ہونے والے ہر سامنے میں اُس کی رفتار میں جیسے ایک اسپیڈ بریکر آتا تھا۔ اُس کے لائف اسٹائل کے بارے میں اُنہیں کس حد تک خبر تھی۔ قلبِ مومن نے کبھی اس کا اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی مگر اُس کے لائف اسٹائل میں وہ کون سی چیزیں تھیں جو اُنہیں پریشان کر سکتی تھیں۔ قلبِ مومن کم از کم اُس کا ایک پردہ رکھنے کی کوشش ضرور کرتا تھا اور وہ پردہ آج بدقسمتی سے رہ نہیں سکا تھا۔

☆☆☆

وہ نیند کی حالت میں ہڑبڑا کر اُٹھا تھا اور کچھ دیر کے لیے بستر پر پڑے اُسے اندازہ نہیں ہوا کہ اس طرح جاگنے کی وجہ کیا تھی مگر پھر اُس کے ذہن نے جیسے اُس آواز کی طرف اُسے متوجہ کیا جو بہت دھیمی آواز میں آ رہی تھی۔ مگر گونج رہی تھی۔ وہ اذان کی آواز تھی۔ عبدالعلی کی اذان کی۔ انہیں عادت تھی۔ فجر کے وقت وہ اذان دے

کر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ اُن کی زندگی کا معمول تھا۔ اب یہاں اُس کے اپارٹمنٹ میں بھی وہ ہمیشہ کی طرح فجر کی نماز کے لیے اذان دے رہے تھے۔ بستر میں لیٹا، نیم تاریک بیڈروم میں آنکھیں کھولے وہ اُس اذان کے الفاظ کو سنتا رہا جن پر اُس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

اُس پینٹ ہاؤس میں باہر کی آوازیں نہیں آسکتی تھیں۔ آس پاس موجود مساجد کے اسپیکرز سے آنے والی اذان کی آوازیں کبھی اُس کے گھر کی شیشے کی دیواروں کو پھلانگ کر اندر نہیں آسکتی تھیں۔ اُس کا گلاس ہاؤس تقریباً ساؤنڈ پروف تھا۔ مگر جب بھی عبدالعلی وہاں آتے وہ پینٹ ہاؤس ہر روز صبح فجر کے وقت اللہ کے نام سے اسی طرح گونجتا رہتا اور قلبِ مومن ہر صبح ان کی آواز پر اسی طرح میکانکی انداز میں بیدار ہوتا۔ اسی طرح میکانکی انداز میں بستر پر لیٹے لیٹے الصلوٰۃ خیر امن النوم (نماز نیند سے بہتر ہے) تک اذان سنتا اور پھر سو جاتا..... آج بھی یہی ہوا تھا۔ دادا الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ پکار رہے تھے اور قلبِ مومن نے کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆☆☆

''دادا جاگ گئے؟'' اگلی صبح وہ بہت جلدی اُٹھا اور اُٹھتے ہی وہ سیدھا شکور کے پاس کچن میں گیا۔

''سلام مومن بھائی۔ جی کہہ رہے تھے جب آپ جاگ جائیں تو اُنہیں بتا دیں پھر وہ ناشتہ آپ ہی کے ساتھ کریں گے۔'' شکور نے جواباً اُسے اطلاع دی۔

''اچھا..... کچھ پوچھ تو نہیں رہے تھے؟'' قلبِ مومن کچن سے نکلتے نکلتے کوئی خیال آنے پر واپس پلٹا تھا۔

''رات کو۔''

''کس چیز کے بارے میں؟'' شکور نے جواباً آملیٹ کے لیے انڈے توڑتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

''میرے بارے میں کہ کون آتا جاتا ہے؟ یا رات کی پارٹی کے بارے میں..... کہ کیا ہو رہا تھا۔'' شکور کے تاثرات سے قلبِ مومن کو اندازہ ہوا کہ اُس کے سوالات کتنے بے ربط اور احمقانہ لگ رہے تھے۔

''نہیں تو دادا جان کیوں پوچھیں گے۔ جو بھی آتا جاتا ہے دیکھ تو لیا انہوں نے اور جو ہو رہا تھا وہ بھی۔'' شکور نے طنز نہیں کیا تھا۔ سیدھا جواب دیا تھا۔ جیسے جواب وہ دیتا تھا مگر قلبِ مومن کو لمحہ بھر کے لیے لاجواب بھی کیا اور خفا بھی۔

''زبان ذرا کم چلانا، جب تک وہ یہاں ہیں۔'' اُس نے شکور کو تھوڑے سخت لہجے میں گھرکا تھا۔

''جی۔'' شکور نے زیادہ اثر لیے بغیر کہا۔

انسان مومن بھائی کی مانے تو گونگا ہی ہو جائے۔ اُس نے ساتھ ہی انڈے پھینٹتے ہوئے سوچا۔

''کب تک رہیں گے وہ یہاں؟'' قلبِ مومن سوال کرنے کے بعد بے ساختہ پچھتایا تھا۔ شکور نے انڈے پھینٹتے پھینٹتے کہا۔

''پتا نہیں جی..... پوچھ آؤں؟'' وہ قلبِ مومن کا ہر مسئلہ حل کرنے کے لیے ضرورت سے زیادہ مستعد رہتا تھا۔

''میں پوچھ لوں گا اُن سے۔ تم ناشتا بناؤ۔'' وہ اپنی غلطی پر جیسے پچھتاتا ہوا وہاں سے نکلا، جانتا تھا یہ ممکن نہیں کہ شکور اس سوال کا جواب دادا سے اس حوالے کے ساتھ نہ مانگتا کہ مومن بھائی پوچھ رہے تھے۔

☆☆☆

''اندر آجاؤں؟'' دروازے پر دستک دے کر وہ انہیں سلام کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ عبدالعلی ایک فریم کو میز پر رکھے اُس کی پیکنگ اُتار رہے تھے۔ چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور بے اختیار مسکرائے۔

''وعلیکم السلام۔ ابھی تمہارا ہی سوچ رہا تھا میں.....'' مومن مسکرایا اور اُن کے بالمقابل اُس میز کے دوسری

طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔

''نیند ٹھیک سے آئی آپ کو؟'' اُس نے دادا سے کہتے ہوئے ان کا چہرہ بغور دیکھا۔ اُن کے چہرے پر ہر بار کی طرح اس بار بھی کچھ جھرّیوں کا اضافہ ہوا تھا۔

''ہاں، بالکل ٹھیک سے آئی..... فجر کے وقت آنکھ بھی کھل گئی تھی۔'' انہوں نے جیسے خوش ہوتے ہوئے مومن کو بتایا اور مومن نے یہ نہیں کہا کہ یہ بات وہ پہلے ہی جانتا ہے۔

''یہ دیکھو۔'' انہوں نے فریم کی پیکنگ اب کھول دی تھی اور اُسے میز پر رکھے انہوں نے مومن کی توجہ اُس خوبصورت خطاطی کی طرف مبذول کروائی۔ قلبِ مومن بے اختیار مسکرایا۔

''میری سالگرہ کا تحفہ؟'' دادا نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا۔

وہ پچھلے سات سالوں سے ہر سال اُس کی سالگرہ پر اُسے اپنی بنائی ہوئی ایک خطاطی کا تحفہ دیا کرتے تھے..... پچھلے سات سالوں سے یہ ایک روٹین تھی اور اب قلبِ مومن کو اُن کے تحفے کی نوعیت کا اس حد تک اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ بتائے بغیر بھی بوجھ جاتا تھا۔ اُس کی سالگرہ میں ابھی کچھ دن باقی تھے اور وہ اسی لیے آئے تھے۔

''ہاں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اب اُس محقق انداز میں بنائی ہوئی خطاطی میں لکھی ہوئی آیت پر انگلی پھیر رہے تھے۔

وَاَنَّ اللّٰہَ مع المومنین۔ (سورۃ الانفال، آیت نمبر 19)

انہوں نے انگلی پھیرتے ہوئے آیت پڑھی۔

''بہت خوب صورت ہے۔'' مومن نے فریم کو بغیر اٹھائے یا ہاتھ لگائے ہوئے کہا۔

''مطلب نہیں پوچھو گے؟'' دادا نے اُس سے پوچھا۔

''پوچھنے کا فائدہ؟..... آپ نے ہر بار جتنی آیات کا مطلب بتایا ہے، میں ہر بار بھول جاتا ہوں۔'' قلبِ مومن نے جواباً کہا۔ وہ جیسے دانستہ چاہتا تھا کہ وہ اُسے نہ بتائیں۔

''تم یاد رکھا کرو۔'' دادا نے کہا۔

''یاد رہتا ہی نہیں۔'' قلبِ مومن نے بے ساختہ عُذر پیش کیا۔

''اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔'' انہوں نے اس بار اس سے بحث کیے بغیر کہا تھا۔ قلبِ مومن چند لمحے خاموش ہو کر اُس فریم کو دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔

''اور میں مومن نہیں۔ آئیں ناشتہ کرتے ہیں۔''

وہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا اور عبدالعلی اُس کی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں پر جیسے اُلجھے اُسے جاتا دیکھتے رہے۔

☆☆☆

''یار! تم کیوں آئی ہو؟'' داؤد اُسے اپنے آفس میں دیکھ کر کراہ کر رہ گیا۔

''تم جانتے ہو۔'' مومنہ نے اپنا بیگ کندھے سے اُتار کر زمین پر کرسی کے پاس رکھتے ہوئے اس سے کہا۔

''ہاں اور میں تمہیں اُس کا جواب پہلے ہی بتا چکا ہوں۔'' داؤد بے چارگی سے بولا۔ اُسے مومنہ سے ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی۔

''داؤد! تم نے اُس سے بات نہیں کی۔ میں جانتی ہوں۔'' مومنہ نے دوٹوک انداز میں اُس سے کہا تھا۔

"ہاں..... اور تم قلب مومن کو جانتیں نہیں، اس لیے یہ بات کہہ رہی ہو۔" داؤد نے اُسے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

"میں ایک بار ملنا چاہتی ہوں اُس سے..... ایک بار۔" مومنہ نے اُس کی بات کاٹی تھی اور اس سے پہلے کہ داؤد اُس سے کچھ کہتا، قلب مومن کچھ کاغذ ہاتھ میں لیے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

"داؤد! یہ پیپرز ایک بار دیکھ لو پھر ڈسکس کرنا ہے انہیں اور....."

وہ روانی میں اُن پیپرز کو تھمانے کے لیے آگے آیا اور اُس وقت پہلی بار مومنہ اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑی ہو کر پلٹی تھی۔ وہ اور قلب مومن بالمقابل تھے۔ قلب مومن نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لیا تھا اُسے پہچاننے میں۔ اُس نے وہ ہاتھ پیچھے کر لیا تھا جس سے وہ کاغذات داؤد کی طرف بڑھا رہا تھا پھر اُس نے ایک نظر داؤد کو دیکھا تھا۔ جس کا رنگ اس وقت فق ہو چکا تھا۔ وہ جس بلا کو ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا' وہ نہیں ٹلی تھی۔

"تم کس لیے آئی ہو یہاں؟" تمام ادب، لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے قلب مومن نے بے حد تیز آواز میں ڈائریکٹ مومنہ ہی سے کہہ دیا۔

"آپ سے معذرت کرنے..... اُس دن جو ہوا، وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔" مومنہ نے اُس کے لہجے کی کرختگی کو نظر انداز کیا اور مدھم آواز میں اُس کو مدعا بتایا تھا۔

"معذرت کرنے؟..... کس چیز کی معذرت کرنے؟..... میڈم..... یہ دروازہ دیکھ رہی ہیں آپ؟ اسے کھولیں۔ اینڈ گیٹ لاسٹ۔ یہ میرا آفس ہے، تمہارے باپ کا آفس نہیں ہے۔" قلب مومن نے جو جواب دیا تھا مومنہ کو لگا اُس کا چہرہ ضرور سرخ ہوا ہوگا۔ وہ اُس کی تذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"میں واقعی شرمندہ ہوں اور آپ سے معذرت کرنا چاہتی ہوں۔" وہ ڈھیٹ نہیں تھی، بے شرم بھی نہیں تھی مگر زندگی تھی اور وہ مجبوری بھی تھی جو اُس کے پیروں اور ہاتھوں کو ایک ہی رسّی سے باندھے ہوئے تھی۔ قلب مومن اس بار اُس پر دھاڑا تھا۔

"تمہیں سنائی نہیں دے رہا، میں کیا کہہ رہا ہوں..... گیٹ لاسٹ اور دوبارہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا..... اور تم..... یہ آخری بار ہے کہ یہ میرے آفس میں نظر آ رہی ہے۔ یہ تمہاری جو کوئی بھی ہے۔ اس آفس میں نظر نہیں آنا چاہیے۔ اگلی بار یہ آفس میں آئے گی تو پھر صرف یہ نہیں جائے گی، تم بھی جاؤ گے۔"

مومن نے آخری چند جملے داؤد سے کہے۔ بے حد درشت لہجے میں اور پھر کاغذ اُس کی ٹیبل پر پھینکنے والے انداز میں اُچھال کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ مومنہ داؤد سے نظریں نہیں ملا سکی..... نہ ہی داؤد ملا سکا۔ ایک عجیب سناٹا اُترا تھا اُس آفس میں بھی اور مومنہ سلطان پر بھی۔ ذلت اس وقت اُس کے سامنے اتنی چھوٹی چیز ہو گئی تھی کہ اُسے اُس کی پرواہ نہیں رہی تھی..... پرواہ اگر کسی چیز کی رہ گئی تھی تو وہ جہانگیر تھا۔

"میں نے بتایا تھا تمہیں....." داؤد نے جیسے صورت حال سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ہاں..... اور مجھے افسوس ہے۔ میری وجہ سے تمہیں یہ سب کچھ سننا پڑا۔" اپنا بیگ اُٹھاتے ہوئے اُس نے داؤد سے نظریں چُرائی تھیں۔ آنکھوں میں پانی تھا اور یہ آنسو وہ کسی کے سامنے بہانا نہیں چاہتی تھی۔

"مجھے اپنی پروا نہیں ہے مومنہ مگر....." داؤد نے اتنا کہہ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ مومنہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"جہانگیر کے لیے آئی تھی۔" اُس نے عجیب بے ربطی سے یہ جملہ بولا تھا۔

"تم جہانگیر کے لیے پریشان مت ہو۔ جو بھی ہوا، میں کروں گا..... کچھ لوگوں سے کہا ہے میں نے تمہارے لیے..... کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔"

وہ یہ نہ بھی بتاتی تو بھی داؤد کو اندازہ تھا، اُسے اس طرح اُس فلم میں کام مانگنے اور اُس کے لیے قلب مومن

جیسے شخص کے سامنے ناک رگڑنے کے لیے کون سی ضرورت مجبور کر رہی تھی۔
مومنہ نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے نکل آئی۔ اُس بے حد مختلف انداز میں ڈیکوریٹڈ سٹوڈیو اور آفس سے جس کا مالک اس وقت مومنہ سلطان کی زندگی کا واحد قابل نفرت شخص تھا۔

☆☆☆

کبوتروں والی وہ حویلی ہمیشہ کی طرح پُرسکون، خاموش تھی..... سائیکوانالسٹ کے اُس کاؤچ کی طرح جس پر بیٹھ کر انسان اپنا اندر کھوجنے، اپنے بوجھ اُتارنے آتا ہے اور ہلکا پھلکا ہو کر جاتا ہے۔
مومنہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی کسی سے اجازت لیے بغیر۔ اُس حویلی کا دروازہ اسی طرح کھلا ملتا تھا۔ وہاں آنے والے ہر شخص کو..... اور وہاں آنے والے زیادہ تر آرٹ اسکولز کے اسٹوڈنٹس ہوتے تھے۔ جو اپنی فرصت کے چند گھنٹے وہاں اپنی مرضی سے آ کر گزارتے۔ اُس ایک کام میں ماسٹر ابراہیم کے ساتھی اور مددگار بن کر جو ماسٹر ابراہیم نے کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔
حویلی کا دروازہ کھلتے ہی سامنے وہ فوارے والا چھوٹا سا صحن تھا جو ہر وقت کبوتروں سے بھرا رہتا تھا اور اُن کی عجیب خصوصیت یہ تھی کہ وہ وہاں آنے والوں سے ڈر کر نہیں اُڑتے تھے۔ اپنی جگہ پر ہی جمے بیٹھے رہتے یا چلتے چلتے کچھ آگے سرک جاتے۔ یوں جیسے گزرنے والوں کو راستہ دے رہے ہوں۔ پانی کے اُس چھوٹے سے فوارے کے گرد بنے حوض میں جو اُس صحن کے بیچوں بیچ لگا ہوا تھا، اب بھی پانی موجود تھا۔ بے حد صاف رکھنے کی کوشش کی گئی تھی اُسے..... اس کے باوجود کہ وہ پانی پینے کے لیے اُڑ کر اُس حوض کے گرد بنی اُس چار انچ چوڑی دیوار پر بیٹھنے والے کبوتروں کی بیٹ سے روز گندی ہوتی تھی پھر بھی ماسٹر ابراہیم اُسے روز صاف کرتے تھے تاکہ کبوتروں کو صاف اور شفاف پانی ملے پینے کے لیے۔
دانہ چگنے کے لیے جگہ جگہ بیٹھے ہوئے کبوتروں کے بیچ سے گزرتے ہوئے مومنہ سلطان کو عجیب سا سکون ملا اور ہمیشہ ملتا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے شور شرابے سے بھاگتی جب بھی یہاں آتی تھی کچھ دیر کے لیے سارے دکھ جیسے ٹھہر جاتے تھے۔ وہاں بکھری خاموشی اُس کے اندر کا سارا شور کسی اسفنج کی طرح جذب کر لیتی تھی۔
حویلی کے کھلے برآمدے میں ماسٹر ابراہیم فرش پر پڑی اُس دری پر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھے۔ انہوں نے حویلی کے کھلنے والے دروازے پر سر اُٹھا کر اندر آنے والے کو دیکھا نہ ہی کبوتروں کے بیچوں بیچ سے گزرنے والی مومنہ کے پیروں کی چاپ نے اُنہیں متوجہ کیا تھا۔ وہ سر جھکائے بے حد انہماک سے قرآن پاک کے اُس نسخے کی جلد سازی کرنے میں مصروف تھے جو اُن کے سامنے رکھا ہوا تھا۔
"السلام علیکم ماسٹر صاحب۔" مومنہ نے برآمدے کی دو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مدھم آواز میں اُنہیں سلام کیا اور پھر اپنا بیگ دری پر ایک کونے میں رکھ دیا۔ اپنی مخصوص جگہ پر جہاں فرش پر ہی وہ چھوٹا سا ڈیسک رکھا تھا جس پر وہ کام کیا کرتی تھی۔
"وعلیکم السلام..... ارے مومنہ! اس بار بڑے دنوں کے بعد آئیں تم۔" ماسٹر ابراہیم نے بالآخر سر اُٹھا کر بے حد خوش دلی سے اُس کا استقبال کیا تھا۔ مومنہ میکانکی انداز میں برآمدے میں جگہ جگہ دیواروں کے ساتھ رکھے بہت سارے کھلے خانوں والی شیلفوں میں سے موجود ایک قرآن پاک نکال رہی تھی۔
"ایک سیریل میں کام مل گیا تھا ماسٹر صاحب۔" شیلف کے خانے سے اُس قرآن پاک کو بے حد احتیاط سے لا کر اپنی جگہ پر آنے اور زمین پر پڑے اُس فرشی ڈیسک پر اُس قرآن پاک کو رکھتے ہوئے مومنہ نے ماسٹر ابراہیم کو جواب دیا۔ اُن کی طرف دیکھے بغیر، اُن سے نظریں ملائے بغیر۔ وہ اس وقت جس ذہنی کیفیت میں وہاں آئی تھی نہیں چاہتی تھی، کوئی اُسے پہچانے۔

"واہ رے ماشاء اللہ۔ سوپ کا کام مل گیا۔" ماسٹر ابراہیم نے بے ساختہ اُس سے کہا اور اُن کے ان الفاظ پر وہ یک دم جیسے رنجیدہ ہوئی تھی۔

"ماشاء اللہ نہ کہیں ماسٹر صاحب۔" ماسٹر ابراہیم نے جیسے حیران ہو کر اُسے دیکھا۔ وہ قرآن پاک کے اُس نسخے کا کام مکمل کر چکے تھے۔

"تمہاری خواہش تھی سیرپل میں کام کرنے کی، تم نے دُعا کروائی تھی۔" انہوں نے مومنہ سلطان کا چہرہ بغور دیکھا جو سر جھکائے اب اُس قرآن پاک کو اپنے ڈیسک پر رکھے بیٹھی تھی۔

"ہاں دُعا کروائی تھی مگر آپ ماشاء اللہ نہ کہیں، مجھے شرم آتی ہے۔"

"کس سے؟" ماسٹر ابراہیم نے جیسے حیران ہو کر اُسے دیکھا۔

"اللہ کے علاوہ کس سے آئے گی ماسٹر صاحب؟" اُس نے اُنہیں دیکھے بغیر سر جھکائے اب وہ کاغذ کھول لیا جس پر وہ کام کرنے والی تھی۔ اُس کا قلم اور روشنائی کی دوات اُس کے ڈیسک کے پاس پڑی تھی۔ ماسٹر ابراہیم یک دم سمجھ گئے تھے کہ اُس کا اشارہ کس طرف ہے۔

"رزق دیتا ہے یہ کام بھی ـــــ رزق کے لیے ہی کہا ہے ماشاء اللہ۔" انہوں نے مدھم آواز میں مومنہ سے کہا۔ وہ اتنے سالوں سے اُن کے پاس آ رہی تھی وہ اُس کی زندگی کے ہر امتحان، ہر آزمائش سے بخوبی واقف تھے۔

"آپ ٹیک ہیں، آپ جو چاہے کہہ سکتے ہیں۔" وہ اُن کی بات پر بے ساختہ بولی اور وہ ہنس پڑے۔

"تم بھی ٹیک ہو بیٹا۔" اُن کی بات پر مومنہ نے قلم ہاتھ میں پکڑے گہرا سانس لیتے ہوئے پہلی بار سر اُٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ٹیک ہوتی آپ کی طرح تو یہاں "یہ" کر رہی ہوتی ـــــ ساری دُنیا سے کٹ کر، چھپ کر۔" اُس نے ڈیسک پر رکھے اُس کاغذ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا تھا جس پر اُس نے ابھی کام شروع کرنا تھا۔

وہ اُس کی بات پر مسکرائے تھے۔

"یہ بھی تو کر رہی ہو۔" انہوں نے اُسے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔

"مگر "صرف" یہ نہیں کر رہی نا ـــــ اور کر بھی رہی ہوں تو اپنے سکون، اپنے لالچ کے لیے کر رہی ہوں۔" وہ اب کاغذ پر اُس قرآن پاک کے اُن شروع کے صفحات کو لکھ رہی تھی جس پر اُس بوسیدہ قرآن پاک کی ابتدائی تحریر تھی۔

وہ وہاں پہلی بار آرٹ اسکول کے کسی اسٹوڈنٹ کے ساتھ آئی تھی جو ماسٹر ابراہیم کی اس حویلی کے بارے میں جانتا تھا۔ جہاں لوگ اپنے بوسیدہ قرآن پاک کے نسخے دے کر جایا کرتے تھے۔ وہاں ماسٹر ابراہیم آرٹ اسکول کے بہت سارے اسٹوڈنٹس کی رضا کارانہ مدد کے ساتھ پھٹ جانے والے صفحات اور مٹ جانے والے الفاظ کو خطاطی کے انداز میں لکھوا کر قرآن پاک کے اُن نسخوں کو دوبارہ جلد کرا کے محفوظ کیا کرتے تھے۔

وہ وہاں یہ کام کئی سالوں سے کر رہے تھے۔ پہلے اکیلے کیا کرتے تھے، اب کئی نوجوان وہاں آ کر شوقیہ اور جذبے کے ساتھ یہ کام کرتے تھے۔ خاص طور پر خطاطی سے منسلک اسٹوڈنٹس اور مومنہ سلطان کا اس جگہ سے تعارف بھی ایسے ہی ہوا تھا۔ اب وہ مسلسل وہاں آنے والے افراد میں شامل تھی جو اپنی سہولت کے اوقات میں وہاں آ کر ماسٹر ابراہیم کی مدد کیا کرتے تھے۔

یہ مومنہ سلطان کا اپنے اُس ٹوٹے ہوئے خواب کے ساتھ آج بھی جُڑے رہنے کا ذریعہ تھا جو آرٹ اسکول میں آرٹ کی ڈگری حاصل کرنے کی صورت میں بھی اُس نے دیکھا تھا۔ وہ خطاط بننا چاہتی تھی ـــــ خطاطی کرنا

چاہتی تھی اور بچپن سے اُس کا اگر کوئی شوق تھا تو یہی تھا۔ اس کے باوجود کہ وہ ایک فلمی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی جہاں باپ ایک فلم میک اپ آرٹسٹ تھا اور ماں ثریا ریڈیو سے منسلک رہنے والی ایک سنگر اور وائس اوور آرٹسٹ مگر مومنہ کو ایکٹنگ میں دلچسپی تھی نہ گانے میں، نہ ہی فلم سے منسلک کسی اور چیز میں.... اُسے خطاطی کا شوق تھا اور اس شوق کو بڑھاوا دینے میں سلطان اور ثریا دونوں کا ہاتھ تھا۔ یہ اُن کے بھی اچھے وقتوں کا خواب تھا جب وہ مومنہ کو خطاط بنانا چاہتے تھے۔ آرٹ اسکول میں پڑھا کر پھر باہر کے کسی ملک میں بھیج کر بہت زیادہ پڑھا لکھا کر.... مومنہ کے لیے انہوں نے یہ بھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ جہانگیر کی طرح فلم کی فیلڈ میں آتی.... ہیروئن بنتی.... اور اس کی وجہ سلطان تھا یا حُسن جہاں۔ یہ فیصلہ کرنا بھی کبھی مومنہ سلطان کے لیے مشکل ہو جاتا۔ مگر زندگی اپنے فیصلوں، اپنے خوابوں اور اپنی خواہشات کے تابع نہیں ہوتی.... مومنہ سلطان کی زندگی بھی نہیں تھی۔ وہ جہانگیر کی گردوں کی بیماری کا پتا چلنے کے بعد اپنی تعلیم چھوڑ کر اُس کا علاج کرنے کے جنون میں اداکارہ بنی تھی اور آرٹ اسکول کے خواب کے ساتھ ہی اُس نے زندگی میں اور بھی بہت کچھ چھوڑ دیا تھا کیونکہ اُسے اچانک پتا چل گیا تھا کہ آگے کچھ بھی نہیں ہے.... جو بھی اچھے دن انہوں نے بھی گزارے تھے وہ پیچھے رہ گئے تھے اور اب اگر زندگی میں اسے کوئی بڑا کام بھی کرنا تھا تو وہ صرف جہانگیر کا علاج کروانا تھا۔

"جہانگیر کیسا ہے؟" ماسٹر ابراہیم نے موضوع گفتگو یک دم بدلا۔

"دوسرا گردہ بھی فیل ہو رہا ہے اس کا۔" وہ ایک لمبی خاموشی کے بعد کام کرتے کرتے بولی۔

"میں ابھی پہلے کے لیے بھی پیسے جمع نہیں کر پائی.... ماسٹر صاحب! مجھے لگتا ہے میں آدھی پاگل ہو گئی ہوں۔ عنقریب پوری پاگل ہو جاؤں گی۔" اُس کے اندر کا لاوا جیسے پھٹ پڑا تھا آنسوؤں کے سیلاب کے ساتھ۔

"جو رزق کما رہی ہوں، وہ کمانا نہیں چاہتی.... جو کما رہی ہوں، اُس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو رہا.... جو چاہتی ہوں، وہ ملتا نہیں۔ جو ملتا ہے وہ چاہ نہیں بنتا۔" اُس نے سر جھکا لیا تھا۔ پھر آستین سے اپنی آنکھیں اور چہرہ رگڑا۔

"میں کچھ کرتا ہوں تمہارے لیے۔" ماسٹر ابراہیم بے اختیار پریشان ہوئے تھے۔ انہوں نے مومنہ کو اتنا ڈسٹرب کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"آپ بس دعا کریں۔ میں اس آزمائش سے نکل جاؤں۔ یہ ختم ہو جائے۔" اُس نے جواباً اُن سے کہا۔

"آمین۔" ماسٹر ابراہیم نے بے ساختہ کہا۔

"میرا گردہ لگ سکتا نا تو میں اپنے دونوں گردے اُسے دے دیتی۔ وہ جینا چاہتا ہے، میں جینا نہیں چاہتی۔" اُس کے لہجے میں آج کچھ ایسا تھا جو ماسٹر ابراہیم کو بُری طرح پریشان کر رہا تھا۔

"اللہ کی ذات سے اتنی مایوسی ٹھیک نہیں مومنہ۔" انہوں نے جیسے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

"اللہ سے تو مایوس نہیں ہوں.... دنیا سے ہوں.... لوگوں سے ہوں۔" اُس نے جواباً کہا تھا۔

"اللہ کی دنیا ہے بیٹا.... اللہ کے لوگ ہیں۔" ماسٹر ابراہیم نے جیسے اُسے ایک بار پھر سمجھایا۔

"ہاں سب اللہ کے ہیں۔ بس ایک مومنہ اللہ کی نہیں ہے نا۔"

اس نے آنسو صاف کر لیے تھے۔ وہ اب دوبارہ کام شروع کر چکی تھی۔ ماسٹر ابراہیم.... اس بار کچھ نہیں کہہ سکے تھے۔ وہ خاموشی سے اُس کا جھکا ہوا سر دیکھتے رہے۔ وہ اب کام میں مصروف تھی، یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اُسے دیکھ رہے ہیں۔ مگر جی ہلکا کرنا تھا، وہ ہو گیا تھا اُس کا.... یہ آنسو وہ نہ ثریا کے سامنے بہا سکتی تھی نہ جہانگیر کے.... الفی کو اُس کی بات سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی۔ جب وہ اداکاری کے حوالے سے وہ باتیں کرتی جو وہ ماسٹر ابراہیم کے سامنے کر رہی تھی اور وہ سمجھ رہے تھے۔

"میں نے کبھی تمہیں ایسے شکوہ کرتے نہیں دیکھا مومنہ!" ماسٹر ابراہیم نے لمبی خاموشی کے بعد اس بار بڑی سنجیدگی سے اُس سے کہا تھا۔

"آج اُس رزق کے لیے کسی کے ہاتھوں ذلیل ہو کر آئی ہوں جس کے لیے ماشاءاللہ کہہ رہے تھے۔"

مومنہ اُن سے یہ جملہ بولنا چاہتی تھی لیکن بول نہیں سکی۔ اُس نے سر اُٹھا کر ماسٹر ابراہیم کو دیکھا پھر عجیب بے بسی سے مسکرائی۔

"آپ سے کہا نا..... میں پاگل ہو رہی ہوں۔" اس سے پہلے کہ ماسٹر ابراہیم کچھ کہتے، حویلی کا دروازہ کھول کر ایک اور لڑکی اندر صحن میں داخل ہوئی۔ مومنہ اور ماسٹر ابراہیم بے اختیار اُس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ وہ بھی وہاں کام کرنے والوں میں سے تھی۔ ایک ہلکی فی شرٹ اور جینز میں ملبوس بے حد ماڈرن حلیے میں لیکن سر کے گرد ایک حجاب اوڑھے..... ماسٹر ابراہیم کے پاس ہر طرح کے اسٹوڈنٹ آتے تھے ہر حلیے میں..... لیکن اس مقصد کے لیے سب کا جذبہ ایک جیسا تھا یا پھر وہ اس جگہ کا اثر تھا۔ اپنے جوتے اُتارتے ہوئے وہ لڑکی اب ماسٹر ابراہیم کو سلام کر رہی تھی اور ساتھ بامشکل اُس حجاب کو گرہیں لگا لگا کر سنبھال رہی تھی جو اُس نے شاید صرف یہ کام کرتے وقت ہی اوڑھا ہوگا زندگی میں۔ ماسٹر ابراہیم نے موضوع گفتگو وہیں بدل دیا تھا اور مومنہ نے اپنا جھکا ہوا سر مزید جھکا کر اپنی سرخ آنکھوں کو اُس لڑکی سے چھپایا تھا۔

☆☆☆

"قلبِ مومن فلمیں نہیں بناتا جیسے اپنے ہاتھوں سے مجسمے تراشتا ہے جو فلم دیکھنے والوں کے دل اور ذہن میں بس جاتے ہیں۔ وہ اپنی ہیروئنز کو نمائشی پتلی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اور ایک فیمنسٹ ہونے کے ناتے یہ میری اس سے ایک فلم ڈائریکٹر کے طور پر واحد شکایت ہے۔ اس کی Diva اس کی فلم میں ہیرو کے سامنے ایک کھلونے سے زیادہ حیثیت اور اہمیت نہیں رکھتی۔ اپنے سارے گلیمر اور سحر سے سینما بینوں کو سحر زدہ کرنے اور سال کی سب سے بڑی کمرشل ہٹ دینے کے باوجود۔"

ٹینا قلبِ مومن کے آفس میں میگزین کے ایک آرٹیکل کا آخری پیراگراف پڑھ رہی تھی جب اپنی آفس چیئر پر جھولتے ہوئے مومن نے اُسے ٹوکا تھا۔

"تبصرہ نگار کون ہے؟" اس کا لہجہ بے حد تیکھا تھا۔

"صدف سحر۔" ٹینا نے اس مشہور بلاگر اور فلمی نقاد کا نام لیا جو سوشل میڈیا کی ریویو کوئن مانی جاتی تھی۔

"آخری چند جملوں کے علاوہ تو بہت اچھا ریویو دیا ہے اُس نے ہمیں اور ہماری فلم کو۔" ٹینا نے اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے جو اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔

"آخری چند جملے بھی کیوں لکھے ہیں اس آرٹیکل اور ویب سائٹ میں..... جب ہم فائیو سٹار ریویو کے لیے پے کر رہے ہیں تو وہ کیسے اس طرح کے کمنٹس کر سکتی ہے میرے اور میری فلم کے بارے میں۔" قلبِ مومن واقعی خفا تھا۔

"میری بات ہوئی تھی صدف سے۔ وہ کہہ رہی تھی بیلنس رکھنے کے لیے آخر میں یہ چند لائنز شامل کی ہیں ساری تعریفیں ہی ہوں تو پھر پڑھنے والے شک کرتے ہیں کہ پیسے لے کر ریویو لکھ دیا ہے۔"

ٹینا نے وضاحت کی۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مختلف میگزینز اور ویب سائٹس پر قلبِ مومن کی فلم کے بارے میں آنے والے مختلف تبصرے اُسے پڑھ پڑھ کر سنا رہی تھی اور اس میں بے لاگ اور لفافہ دے کر کرائے گئے دونوں طرح کے تبصرے تھے اور اب صدف سحر کا وہ ریویو قلبِ مومن کو جیسے لڑ گیا تھا۔

"یہ اُن کا مسئلہ ہے، ہمارا نہیں۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اگر ایک ویب سائٹ کو پیسے دے کر ایک ریویو لکھوا

رہے ہیں تو وہ ہمارے خلاف ایک لائن بھی کیسے لکھ سکتے ہیں۔'' قلب مومن نے ہمیشہ کی طرح دوٹوک انداز میں کہا۔

''میں دوبارہ بات کرتی ہوں صدف سے اور دیکھتی ہوں، اس کا کیا حل نکالا جا سکتا ہے۔'' نیہا نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

اس سے پہلے کہ قلب مومن اُس سے کچھ کہتا دروازہ کھلا تھا۔

''ہیلو۔'' نیہا نے دروازے میں کھڑے کھڑے اندر جھانکتے ہوئے مومن کی توجہ اپنی جانب مبذول کی تھی۔

''اوہ ہیلو۔'' مومن اُسے دیکھ کر جواباً مسکرایا۔ ٹینا کرسی سے اٹھ گئی تھی اس نے باہر جاتے ہوئے اندر آتی ہوئی نیہا سے ہیلو ہائے کی اور قلب مومن ٹیبل پر پڑا اپنا لیپ ٹاپ بند کرنے لگا تھا۔

''میں بس دو منٹ میں فارغ ہوتا ہوں پھر چلتے ہیں۔'' مومن نے تیزی سے اپنی سکرین پر کھلی ہوئی مختلف ونڈوز کو بند کرنا شروع کر دیا تھا۔

''مجھے اصل میں تم سے بڑی ضروری بات کرنا تھی آج۔''

نیہا نے اُس کی بات کے جواب میں کسی تمہید کے بغیر اپنے مدعا پر آتے ہوئے کہا۔ قلب مومن نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے چونک کر اُسے دیکھا۔

''ہاں کرو۔''

''تم سے ضوفی کے بارے میں بات کرنی تھی۔''

''کون ضوفی؟'' قلب مومن بے اختیار اُلجھا۔

''یار! وہ دوست جسے میں تمہاری پارٹی میں ساتھ لائی تھی اور تم سے ملوایا تھا۔ وہ اسمارٹ، ہینڈسم، گڈ لکنگ ماڈل۔'' نیہا نے اُسے تفصیلات دے کر جیسے اُس کی یادداشت بحال کرنے کی کوشش کی۔ قلب مومن کو یک دم وہ یاد آیا تھا۔

''اوہ اچھا..... وہ لڑکا..... اُس کے بارے میں کیا بات کرنا تھی؟''

مومن نے کچھ حیرانی سے پوچھا۔

''وہ بھی تمہاری فلم کے لیے آڈیشن دینا چاہتا ہے۔'' نیہا نے بے ساختہ کہا۔

''male lead تو میں فائنل کر چکا۔'' قلب مومن نے بے ساختہ کہا۔

''تو کسی اور رول کے لیے دیکھ لو اُسے۔'' نیہا نے فوراً سے پیش تر کہا۔ ''تمہارے ساتھ کام کرنے کا بہت اشتیاق رکھتا ہے وہ اور میں نے وعدہ بھی کیا ہے اُس سے۔''

''اُس نے بہت زیادہ متاثر نہیں کیا مجھے۔'' قلب مومن نے نیہا کو بغور دیکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

''تم کیا بات کر رہے ہو، اتنی آفر آ رہی ہیں اس کے پاس۔''

''تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ وہ کرے اُن آفرز کو قبول۔'' مومن نے جواباً کہا تھا۔

''وہ تمہارا فین ہے اور تمہارے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے..... اور مجھے نہیں پتا مومن.....! میں نے وعدہ کیا ہے اس سے۔ تمہیں اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا اب۔''

نیہا نے بڑے ناز سے اٹھلاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ مومن تب تک اپنا بیگ بند کر کے کھڑا ہو چکا تھا۔

''فی الحال تو گھر چلتے ہیں۔ تمہیں دادا سے ملوانا ہے پھر بعد میں دیکھوں گا، کچھ ہو سکتا ہے یا نہیں مگر مجھے عورتوں کو سیڑھی بنا کر آگے بڑھنے والے مرد اچھے نہیں لگتے۔''

اُس نے اٹھتے اٹھتے نیہا سے کہا تھا شاید اُسے ضوفی کے لیے نیہا کی وکالت اچھی نہیں لگی تھی۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟ بیسٹ فرینڈ ہے وہ میرا۔'' نیہا نے جیسے احتجاج کیا تھا مگر مومن تب تک اپنا بیگ اُٹھائے آفس سے باہر نکل چکا تھا۔
وہ کچھ تلملائے ہوئے انداز میں اُس کے پیچھے آئی تھی اس کے باوجود کہ اُسے یقین تھا، قلب مومن اُسے انکار نہیں کر سکتا تھا اور اب وہ اُس فلم میں ضوفی کے لیے کوئی نہ کوئی جگہ ضرور نکالے گا۔

☆☆☆

''انٹریئر چینج کیا ہے تم نے۔'' اس کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی نیہا نے جیسے کچھ چونک کر اُس سے کہا تھا۔ اس کے لاؤنج کی دیواروں پر لگے بھی وہ نیوڈ پینٹنگز اور وہ عریاں مجسمے غائب تھے جو وہاں چند دن پہلے موجود تھے اور جو قلب مومن کے ذوق جمال کا اظہار تھے۔
''کچھ دنوں کے لیے ہٹایا ہے انہیں۔'' قلب مومن نے جواباً اس سے کہتے ہوئے اپنا بیگ لاؤنج میں رکھا۔
''کیوں؟'' نیہا نے حیرانی سے پوچھا۔
''کچھ زیادہ ہی نیوڈ تھا سب کچھ۔'' مومن نے جواباً مسکرا کر عجیب نادم انداز میں کہا۔
''تو کیا ہوا؟ آرٹ تھا۔'' نیہا جیسے اُس کے انداز پر حیران ہوئی۔
''دادا ہیں ابھی یہاں تو بس جب تک وہ یہاں ہیں، میں یہ سب ان کے سامنے نہیں رکھ سکتا۔'' مومن نے بالآخر اُسے اصلی وجہ بتائی۔
''کنزرویٹو ہیں وہ؟ برا سمجھتے ہیں؟ برا بھلا کہتے ہیں۔'' نیہا نے بے ساختہ کہا۔
''نہیں۔'' مومن نے مختصر کہا۔
''تو پھر؟'' وہ حیران ہوئی۔
''کیلی گرافی کرتے ہیں وہ قرآن پاک کی آیات تو بس میں نے سوچا، شاید اُنہیں برا نہ لگے۔''
مومن نے جیسے وضاحت دی تھی جو وہ دینا نہیں چاہتا تھا اور تب ہی اُس نے دادا کو لاؤنج میں آتے دیکھا۔ جنہیں شکور بلانے گیا تھا۔
''السلام علیکم۔'' اس سے پہلے کہ وہ اُن سے کچھ کہتا، انہوں نے خوش دلی سے سلام کیا تھا۔ نیہا نے جواباً وعلیکم السلام کہتے ہوئے مومن کو دیکھا یوں جیسے یہ جاننا چاہ رہی ہو کہ اب آگے کیا کہے۔
''دادا! یہ نیہا ہے میری کلوز فرینڈ اور نیہا! یہ میرے دادا ہیں۔'' مومن نے دونوں کا تعارف کرایا تھا۔
عبدالعلی نے اُس لڑکی کو بغور دیکھا جس کا تعارف مومن کروا رہا تھا۔ وہ پہلی لڑکی تھی جسے مومن نے اُن سے متعارف کروایا تھا۔
''مومن بتا رہا تھا، آپ کیلی گرافی کرتے ہیں۔ بڑی تعریف کر رہا تھا آپ کی۔'' نیہا نے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بے ساختہ کہا۔
اس کے جملے پر عبدالعلی اور قلب مومن نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا اور جیسے دونوں نے ہی بیک وقت نظریں چُرائیں پھر عبدالعلی نے نیہا سے کہا۔
''مومن بھی تو کرتا ہے کیلی گرافی۔'' نیہا کو جیسے کرنٹ لگا۔
''سیریسلی؟'' اس نے مومن کو یوں دیکھا جیسے اس نے یہ راز نہ بتا کر کوئی گناہ کیا ہو۔ ''کیلی گرافی آنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ میں کیلی گرافی کروں۔'' مومن نے نادم

انداز میں کہا یوں جیسے وہ اس انکشاف کے ہونے پر پریشان ہوا تھا۔
"نہیں بھی کرتے تو بھی تم نے سیکھی تو ہے نا۔" نیہا اب بھی متاثر تھی۔
"ہاں..... اور یہ پیدائشی خطاط ہے بیٹا..... اللہ تعالیٰ نے اس ہنر سے نوازا ہوا ہے اُسے۔" عبدالعلی نے بے حد فخریہ انداز میں نیہا کو بتایا تھا ان کے اس انداز سے مومن کی ندامت میں اور اضافہ ہوا تھا۔
"بچپن کا شوق تھا دادا..... بچپن میں ہی چلا گیا۔" اس نے موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش کی تھی۔
"اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے والے ہاتھ اللہ کا نام لکھنا چھوڑ تو سکتے ہیں، بھول نہیں سکتے۔ تم جب بھی خطاطی کرو گے، بہت اچھی کرو گے۔"
عبدالعلی نے جواباً اس سے کہا تھا۔ نیہا اس ساری گفتگو کے دوران کسی خاموش تماشائی کی طرح کھڑی رہی تھی۔
"میں کپڑے بدل لوں پھر چلتے ہیں۔" ایک لمحہ کی کچھ عجیب سی خاموشی کے بعد مومن نے یک دم دادا کے بجائے نیہا سے کہا اور کمرے سے نکلنے ہی والا تھا جب اُس نے نیہا کو کہتے سنا۔
"دادا! وہ اسٹار ڈائریکٹر ہے۔ کیلی گرافی سٹار ڈم تھوڑا دے گی اُسے۔ آپ نے اُس کی فلمیں دیکھی ہیں؟"
مومن بے اختیار پلٹا اور پچھتایا تھا۔ جو موضوع گفتگو بدلنے کے لیے وہ وہاں سے جا رہا تھا، وہ پھر خطرناک موڑ پر آ گیا تھا۔
"نہیں، میں نے نہیں دیکھیں۔" اس نے عبدالعلی کو مدھم آواز میں کہتے سنا۔
"اوہ! آپ کو دیکھنا چاہیے انہیں۔" نیہا بے حد پرجوش انداز میں کہہ رہی تھی۔ "مومن عورت کو جس طرح اسکرین پر پیش کرتا ہے۔ آؤسم ہے۔ ڈریم وومین بنا دیتا ہے وہ اپنی ہیروئن کو..... دیوا اسٹار۔"
نیہا بولتی جا رہی تھی اور عبدالعلی خاموشی سے سن رہے تھے اور پھر انہوں نے گردن موڑ کر اُس دروازے کو دیکھا جس پر ہاتھ رکھے مومن کھڑا تھا۔ یوں جیسے وہ جانتے تھے کہ وہ اب بھی وہیں تھا۔ اُن کی آنکھوں میں کچھ ایسی چیز جھلکی تھی کہ وہ وہاں کھڑا نہیں رہ سکا تھا۔ پلٹ کر دروازہ کھول کر وہ وہاں سے نکل آیا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سارا اسکرپٹ یاد ہو گیا ہے۔"
جہانگیر نے فاتحانہ انداز میں مومنہ سے کہا، وہ اُس ڈرامہ کا اسکرپٹ پڑھ رہا تھا جو مومنہ کر رہی تھی اور وہ کچھ دیر پہلے بنی چائے اور بسکٹ لیے اس کے پاس آ کر صحن کی چارپائی پر آ کر بیٹھی تھی جس پر وہ نیم دراز تھا۔
"اچھا سناؤ پھر؟" مومنہ نے مسکرا کر جواباً اُس کے ہاتھ سے اسکرپٹ لیا اور آلتی پالتی مار کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔
"سین نمبر؟" جہانگیر بھی فوراً تیار ہوا تھا۔
"سین نمبر 13 ..... نہیں 18 ہیرو نائل اور آبگینے کا سین۔" مومنہ نے چیلنج کرنے والے انداز میں اسکرپٹ کے صفحے اُلٹتے پلٹتے اس سے کہا۔ ایک لمحہ سے بھی پہلے جہانگیر نے کھٹ سے ہیرو نائل کا ڈائیلاگ دہرایا تھا۔
"ارے تم غصہ کیوں کھا رہی ہو؟" وہ کہہ کر رُکا پھر اس نے مومنہ سے پوچھا۔
"ہیروئن کے بھی سنا دوں؟"
"چلو، ہیروئن کے میں سناتی ہوں۔ تم بس ہیرو کے بولو۔" چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھاتے ہوئے مومنہ نے اُس سے کہا اور ساتھ ہی اگلا ڈائیلاگ دہرایا۔

"غصہ کھانے والی بات ہے۔"

"خوب صورت لگ رہی ہو۔"

"بکواس۔"

"تعریف کروں تو غصہ نہ کروں تو غصہ ۔۔۔ اب مجھے بھی غصہ آنے لگا ہے تم پر۔"

"تو ٹھیک ہے ۔۔۔ ختم کرو یہ سب کچھ۔"

"آرزو کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے میرا۔"

"تمہارا نہیں ہے اُس کا ہے۔"

"وہ بھی نہیں ہے۔"

"بھائی ہوتا پھر تم اُس کے۔"

"وہ تو تمہارا ہوں اس سکرپٹ میں ۔۔۔" روانی سے ہیرو کے ڈائیلاگز توتے کی طرح دہراتے ہوئے جہانگیر پالا آخری ڈائیلاگ بھولا اور اُس نے اگلا جملہ اپنے پاس سے بولا اور مومنہ نے ہاتھ میں پکڑا اسکرپٹ بے اختیار اُس کے کندھے پر مارتے ہوئے اُس سے کہا۔

"بھول گئے نا۔" جہانگیر جواباً فاتحانہ انداز میں ہنسا تھا۔ یہ اُن دونوں کا بہت پرانا کھیل تھا۔ اسکرپٹ اسکرپٹ کھیلنا۔ جو وہ ایک بار پھر سے کھیل رہے تھے اور اب ڈائیلاگز بھول جانے پر ہنس ہنس کر دوہرے ہوتے جا رہے تھے ۔۔۔ بچوں کی طرح۔

"کیا ہوا ہے تم دونوں کو؟ کس بات پر ہنس رہے ہو؟" ثریا بالکل اُسی وقت اندر کمرے سے نکلی تھی اور اب اُن دونوں کو یوں ہنستے دیکھ کر ہکا بکا ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ مومنہ کچھ کہتی، اُس کا فون بجنے لگا تھا۔ اپنی ہنسی پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہوئے مومنہ نے فون دیکھا۔ وہ اقصیٰ کی کال تھی۔

"تمہیں تو لگتا ہے داؤد نے پہلے ہی بتا دیا ہے۔" اُس کی آواز سنتے ہی اقصیٰ نے کہا تھا۔

"کیا؟" مومنہ حیران ہوئی تھی۔

"تمہارے آڈیشن کا۔"

"کیسے آڈیشن کا؟" مومنہ مزید حیران ہوئی تھی۔

"تم ہنس رہی تھیں تو میں بھی تمہاری بات ہوئی ہے اُس سے ۔۔۔ بہت بڑی خوش خبری ہے تمہارے لیے ۔۔۔ لاہور جا رہی ہو تم۔" اقصیٰ اب پرجوش انداز میں اُسے بتانے لگی تھی۔ "داؤد نے تمہاری شوریل اور قلب مومن کی فلم کے لیے ہونے والے آڈیشن کی فوٹیج بھیجی تھی کسی کو ۔۔۔ بالی ووڈ کی کسی فلم کی کاسٹنگ ہو رہی ہے یہاں اور پاکستان میں ہی شوٹنگ ہونی ہے اُس کے کچھ حصہ کی ۔۔۔ تمہیں آڈیشن کے لیے بلوایا ہے اُن لوگوں نے تمہاری شوریل دیکھ کر۔ تو بس تم تیاری پکڑو لاہور کی۔"

چند لمحوں کے لیے مومنہ جیسے اُس کی بات سمجھ ہی نہیں پائی۔

"تم مذاق کر رہی ہو؟" اُس نے کہا تھا۔

"یار مذاق کروں گی تم سے ۔۔۔؟ سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہوں اور خوشی سے بے قابو ہو کر تمہیں فون کر رہی ہوں۔" اقصیٰ نے اُسے ڈانٹا تھا۔

"تم بالی ووڈ کی فلم کے آڈیشن کی بات کر رہی ہو؟" مومنہ کو لگا، اُس نے کچھ غلط سنا تھا۔

"ہاں یار امریکہ اور پاکستان میں شوٹنگ ہے اُس کی اور شوٹنگ ہے بھی جلدی۔ پہلے کچھ انڈین ایکٹرز کو لیا ہوا تھا انہوں نے لیکن ویزا پرابلمز ہو رہے ہیں اُنہیں تو اب فوری طور پر یہاں کاسٹنگ کر رہے ہیں۔"

اقصیٰ دوسری طرف سے کہہ رہی تھی لیکن مومنہ جہانگیر کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ جو ہالی ووڈ اور آڈیشن کے لفظ اُس کی زبان سے سن کر اس وقت یک دم ہی بے حد پُرجوش ہو گیا تھا۔

''تو اب؟'' مومنہ کو اب بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''بس تم تیاری کرو..... داؤد بھی کال کرے گا تمہیں..... ٹکٹ اور قیام کے انتظامات بھی وہی لوگ کریں گے..... اچھا بس سین آ گیا ہے میرا، بعد میں بات کرتے ہیں تو تفصیل بتاتی ہوں تمہیں۔'' اقصیٰ نے یک دم عجلت میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

''کیا ہوا آپی؟..... ہالی ووڈ کی فلم کے لیے آڈیشن ہو رہا ہے؟''

فون بند کرتے ہی جہانگیر نے اُس سے پوچھا تھا اور صحن میں تار پر کپڑے ڈالتی ہوئی ثریا بھی پاس آ گئی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے مومنہ کا دل چاہا، وہ کوئی جھوٹ بول دے۔ وہ اُنہیں پھر سے اُمید اور نا اُمیدی کے دھاگے سے باندھنا نہیں چاہتی تھی۔ فلم اُس کا جنون نہیں تھا مگر جہانگیر اور اُس کے گھر والوں کا تھا اور وہ قلبِ مومن کے آڈیشن کی ناکامی کے بعد والی صورت حال کا سامنا دوبارہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جتنی دیر میں وہ کوئی جھوٹ گھڑ پاتی۔ جہانگیر نے اُس کی خاموشی سے خود ہی جواب اخذ کر لیا تھا۔ وہ بڑے پُرجوش انداز میں ثریا کو فون پر ہونے والی گفتگو بتا رہا تھا۔

''آپا کی سلیکشن ہوئی ہے، ہالی ووڈ کی کسی فلم کے آڈیشن کے لیے اور آپا لاہور جا رہی ہیں۔''

''اللہ تیرا شکر ہے۔'' مومنہ نے ثریا کو بے اختیار ہاتھ دعائیہ انداز میں اوپر اٹھاتے دیکھا۔

''آڈیشن کے لیے سلیکشن ہوئی ہے اماں! انہوں نے کاسٹ نہیں کیا مجھے ابھی۔'' مومنہ نے بے اختیار اُن کی توقعات پر بند باندھنے کی کوشش کی تھی۔

''وہ بھی ہو جائے گا ان شاء اللہ..... میں تمہارے ابا کو تو بتاؤں ذرا..... کہاں کھڑے ہیں۔'' ثریا اسی جوش و خروش سے کہتے ہوئے باہر گلی کا دروازہ کھول کر سلطان کو ڈھونڈنے نکل گئی تھی۔

''آپا! تم نے بہت بڑا اسٹار بن جانا ہے..... بتا رہا ہوں میں تمہیں..... ہالی ووڈ میں کام کرو گی۔ پھر آسکر لینے جاؤ گی..... پھر اسپیچ کرنا اور میرا تھینک یو کرنا کہ اگر جہانگیر نہ ہوتا تو.....'' مومنہ نے چائے میں بسکٹ کا بچا ہوا ٹکڑا ڈبوتے ہوئے جہانگیر کی بات کاٹی۔

''پھر تمہاری آنکھ کھل جائے گی اور جب آنکھ کھل جائے تو تم مجھے بھی جگا دینا۔'' وہ کہتے ہوئے چارپائی سے اُٹھ گئی تھی۔

''آپا! دیکھ لینا تم.....'' جہانگیر کی آواز اُس کے تعاقب میں آئی تھی مگر مومنہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

☆☆☆

وہ ایک جمائی لیتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ چابی سے کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ شکور اس وقت سو چکا ہوتا تھا اور وہ اُسے نہیں جگاتا تھا۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے اُسے ٹیرس پر ٹہلتے دادا دکھائی دیے۔ قلبِ مومن نے بے اختیار کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔ اُس وقت تین بجنے والے تھے۔ عبدالعلی نے بھی لاؤنج کی گلاس وال سے اُسے دیکھ لیا تھا اور وہ اندر آ گئے تھے۔

''آپ اب تک جاگ رہے ہیں؟'' مومن نے اُن کے اندر آتے ہی اُن سے کہا تھا۔

''ہاں تہجد کے لیے اُٹھا تھا پھر تمہارا انتظار کرنے لگا۔ تم بہت دیر سے آتے ہو رات کو واپس..... جب آیا ہوں تمہارے ساتھ بیٹھنے کا وقت ہی نہیں مل رہا۔''

ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے گراتے ہوئے۔ مومن بھی دوسرے صوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔

''ہاں بس اگلی فلم کی تیاری کر رہا ہوں..... ایسی ہی ہے میری زندگی آج کل۔'' مومن نے گہرا سانس لے کر آنکھیں رگڑیں اور صوفہ سے ٹیک لگائی۔

''ایسی ہونا تو نہیں چاہیے۔'' عبدالعلی نے جواباً اُس سے کہا تھا۔

''آپ کو نیہا کیسی لگی؟'' مومن نے یک دم موضوع بدلا۔

''نیہا؟'' عبدالعلی کو فوری طور پر وہ یاد نہیں آئی تھی۔

''اس دن ایک لڑکی سے ملوایا تھا نا آپ کو، اُس کی بات کر رہا ہوں۔''

مومن کو حیرانی ہوئی، دادا نیہا کو اتنی آسانی سے کیسے بھولے تھے۔ وہ اتنی ''عام'' تو نہیں تھی کہ اُن کی یادداشت کا حصہ بھی نہ بن پاتی۔

''اوہ ہاں..... اچھی لڑکی ہے۔'' عبدالعلی کو یک دم یاد آیا۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں اُس سے۔'' مومن نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ اُس کے فیصلے ایسے ہی ہوتے تھے اچانک اور خود کردہ۔

''مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔'' عبدالعلی نے جواباً مدھم آواز میں کہا۔ مومن دھیمے سے ہنسا۔

''آپ کو ہر بات کا اندازہ پہلے ہی کیسے ہو جاتا ہے؟''

وہ بھی مسکرائے تھے پھر انہوں نے بڑی محبت سے کہا۔

''صرف تمہارے بارے میں ہوتا ہے یہ۔''

''نہیں، مجھے لگتا ہے آپ کو ہر چیز کا پہلے سے پتا ہوتا ہے۔ کوئی جن ہے آپ کے پاس۔'' اس نے مسکراتے ہوئے خوش دلی سے کہا اور عبدالعلی اُسے بغور دیکھتے مسکراتے رہے پھر انہوں نے یک دم اُس سے کہا۔

''تم خوش ہو قلبِ مومن؟'' آواز دھیمی تھی لہجہ نرم لیکن سوال عجیب تھا۔ مومن عجیب طرح سے ہی کھٹکا تھا۔

''آپ نے کیا پوچھا۔'' اُس نے جیسے دوبارہ سوال کی تصدیق چاہی۔

''تم خوش ہو؟'' انہوں نے نظریں اُس کے چہرے پر جمائے ان ہی الفاظ میں اپنا سوال دہرایا۔ مومن بے اختیار ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا لیکن اُس نے اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''بہت..... بہت زیادہ۔ بلکہ بے تحاشا۔'' اُس نے گہرا سانس لے کر بے حد خوش نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''لگتے کیوں نہیں ہو مجھے؟'' عبدالعلی کے اگلے جملے نے مومن کی مسکراہٹ کو ماند کیا تھا۔

''میرا لائف سٹائل دیکھیں دادا..... میری شہرت، میری کامیابی..... گھر، کیریئر..... میرے پاس سب کچھ ہے جو میری عمر کے کسی لڑکے کا خواب ہوگا۔ پھر خوش نہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے اُس نے کہا۔

''شاید غلط بات کر گیا ہوں..... بوڑھا ہو گیا ہوں..... بعض دفعہ غلط سوال پوچھ بیٹھتا ہوں..... لیکن میں تمہیں ہمیشہ خوش ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔'' عبدالعلی کہہ رہے تھے اور وہ سن رہا تھا۔ ایسی بات انہوں نے پہلی بار کی تھی۔

''سو جاؤ تم اب..... تھکے ہوئے ہو گے۔''

وہ کہتے ہوئے یک دم اُٹھ گئے تھے لیکن مومن وہیں بیٹھا رہا تھا۔ بعض سوال جیسے انسان کو آئینے کے سامنے لا بٹھاتے ہیں اُس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ خوشی کا وہ کون سا پیمانہ تھا جس پر اُس کے دادا نے اُسے پرکھ کر یہ نتیجہ نکالا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں اُن کے جملوں کی گونج میں بیٹھا رہا تھا۔ پھر اُٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو کنسول

کے آئینے نے ایک بار پھر جیسے اُس کا راستہ روکا تھا۔ وہاں اُس کا عکس نظر آرہا تھا اور عبدالعلی کے سوال کی گونج..... کیا وہ چہرے سے ناخوش لگ رہا تھا.....؟ لیکن کیوں؟..... وہ تو ناخوش نہیں تھا۔ وہ تو ''خوش'' تھا پھر دادا اُسے ان بھول بھلیوں میں کیوں اُلجھا کر گئے تھے۔

☆☆☆

وہ سیٹ پر اقصیٰ کے انتظار میں پچھلے ایک گھنٹہ سے بیٹھی ہوئی تھی اور بالآخر وہ اپنے سین سے فارغ ہو کر آ گئی تھی اور آتے ہی مومنہ کو دیکھ کر اُس نے بڑی گرم جوشی سے اُسے گلے لگایا تھا۔

''مبارک..... مبارک..... مبارک.....''

''مجھے اب ڈر لگ رہا ہے کہ اگر آڈیشن میں فیل ہوئی تو تم نے ملامت بھی اُتنی ہی کرنی ہے جتنی مبارک باد دے رہی ہو۔'' مومنہ نے اُس سے کہا۔

''خواہ مخواہ میں ہی..... ایک منٹ ذرا بیگ میں سے ڈھونڈ لوں میں..... ایک تو پتا نہیں چیزیں جاتی کدھر ہیں میری..... رکھو کہیں، ملتی کہیں سے ہیں۔'' وہ اپنے بیگ کی زپ کھولے اُس کے اندر موجود سامان کو کھنگالنے میں مصروف تھی۔

''ہاں، یہ رہا۔'' اُسے بالآخر وہ لفافہ مل گیا تھا جو وہ ڈھونڈ رہی تھی۔

''تمہارے آڈیشن کے لیے کال لیٹر، تمہارا ٹکٹ اور ہوٹل میں بکنگ کا واؤچر..... تینوں چیزیں ہیں اس میں..... پہلے کبھی لاہور گئی ہو؟'' اقصیٰ کو اُسے لفافہ تھماتے ہوئے اچانک خیال آیا۔ مومنہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''کوئی بات نہیں، بس ایئر پورٹ سے ٹیکسی پکڑنا اور اس ہوٹل میں پہنچ جانا..... یہ پی سی لاہور کے قریب ہی ہے اور تمہارا آڈیشن وہاں ہے۔'' وہ بڑی تیز رفتاری سے اُسے بتاتی جا رہی تھی۔

اسسٹنٹ دور سے اُسے اگلے سین کے لیے تیاری کی آوازیں لگا رہا تھا اور وہ ایک بات مومنہ سے کرتی پھر اگلا جملہ اسسٹنٹ سے کہتی، عجیب ہڑبڑاہٹ میں تھی۔

''بس اب میرا سین آرہا ہے۔ میں ڈراپ کر دوں گی تمہاری فلائٹ والے دن تمہیں اور واپس پک بھی کر لوں گی۔ بس تم کوئی اچھی خبر لے کر آنا۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''تم نے کیوں نہیں کوشش کی اس آڈیشن کے لیے۔'' مومنہ نے یک دم اُس سے کہا۔

''کی تھی، مجھے شارٹ لسٹ نہیں کیا انہوں نے۔'' اقصیٰ نے اُسی طرح کھلکھلاتے ہوئے کہا۔

''مجھے زیادہ اُمید بھی نہیں تھی۔'' اُس نے مومنہ کے تاثرات دیکھ کر اُسے جیسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''یار بس جا رہی ہوں میں..... دو دن سے میری اور اس اسسٹنٹ کی لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ پھر ڈائریکٹر کے کان بھرے گا میرے خلاف اگر ایک بار بھی اور آواز لگانی پڑی تو.....''

وہ کہتے ہوئے تقریباً بھاگتی ہوئی گئی تھی۔ مومنہ اُس لفافے کو کھولتے ہوئے سیٹ سے باہر آ گئی تھی۔ ٹکٹ اور واؤچر کے بعد اُس نے بس اسٹاپ پر کھڑے ہو کر کال لیٹر کو کھولا اور جب — وہ شرائط و ضوابط پر آئی، اس کا دل بری طرح بوجھل ہوا تھا۔ فون نکال کر اُس نے اقصیٰ کو کال کی۔ فون چند لمحے بجتا رہا پھر فوراً ہی کال ریسیو کی گئی۔

''تم مجھے کٹ کروا کر ہی سکون کا سانس لو گی مومنہ!'' اقصیٰ اب اُس پر تقریباً دھاڑی تھی۔

''تم نے کیوں کیا یہ؟'' مومنہ نے بے ساختہ اُس سے کہا۔

''کیا؟'' وہ یک دم دھیمی پڑی تھی۔

''وہ لوگ تو ایئر ٹکٹ اور اکاموڈیشن نہیں دے رہے..... شرائط میں لکھا ہے..... یہ تم نے کیا ہے نا۔'' دوسری

طرف اقصیٰ خاموش ہوئی تھی۔
''تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اقصیٰ۔'' مومنہ نے اُس سے کہا۔
''ایک چانس مل رہا تھا اتنا بڑا..... تم نے جانا ہی نہیں تھا یہ پڑھ کر کہ وہ لوگ جہاز کا کرایہ اور اکاموڈیشن نہیں دیں گے..... صرف اس لیے کروایا یہ میں نے۔'' اقصیٰ نے بالآخر اُس سے کہا تھا۔
''میں یہ پیسے واپس کروں گی تمہیں۔'' مومنہ نے جواباً کہا۔
''ہاں ہاں۔ مجھے پتا ہے بہن، بڑی خوددار ہو تم..... سب کچھ واپس کردو گی تم..... پہلے جاؤ تو۔'' اقصیٰ نے جیسے ہاتھ جوڑ کر اُس سے کہا تھا۔
''تمہاری وجہ سے دنیا مجھے تھوڑی کم کالی لگتی ہے۔'' مومنہ کی آواز بھرّا گئی تھی۔
''تم ہر چیز دل پر لینا کم کردو نا تو دنیا اور بھی کم کالی لگے گی۔'' اقصیٰ نے جواباً اُس سے کہا تھا۔
''بس آ گئی میری۔'' مومنہ نے اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑی تھیں اُس کے لیے وہاں اس وقت بات کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اُس نے اقصیٰ کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔
''ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں سب کو جو اپنے پر توڑ کر دوسروں کو اُڑنے کے لیے دے دیں۔'' مومنہ سلطان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ زندگی میں داؤ دا اور اقصیٰ کے احسانوں کا بوجھ کیسے اُتارے گی..... قرض تو وہ یقیناً اُتار ہی دیتی۔

☆☆☆

''سلطان سے میک اپ کروانے کے لیے منتیں کرتے تھے چھوٹے بڑے ایکٹرز، پر میرے پاس وقت ہی نہیں ہوتا تھا، حسنِ جہاں کی فلمیں ہی ختم نہیں ہوتی تھیں، پھر اُس کے شوز، پرفارمنسز کتنے تو ملک پھر کر آیا تھا میں اُس کے ساتھ..... انڈیا، جاپان، لندن، دبئی، ترکی..... بس ترکی لڑ گیا۔''
سلطان ہمیشہ کی طرح وہی پرانے قصے لیے بیٹھا ہوا تھا اور ترکی کے نام پر اُس نے ایک آہ بھری تھی۔
اپنے گھر کے برآمدے میں اپنے سامنے کرسی پر بیٹھے وہ اُس نوجوان لڑکے کا میک اپ کرنے میں مصروف تھا جو فلم میں ملنے والے کسی چھوٹے موٹے رول کے لیے اُس کے پاس بیٹھا میک اپ کروا رہا تھا۔ میک اپ کروانے کے دوران سلطان نے ہمیشہ کی طرح حسنِ جہاں نامہ کھول لیا تھا۔ اُس کے لیے میک اپ کرتے ہوئے ہر چہرہ جیسے حسنِ جہاں کے چہرے کا عکس اور بازگشت بن جاتا تھا۔
''بس سلطان بھائی! دُعا کرنا آج ایسی پرفارمنس دے جاؤں کہ چھا جاؤں۔'' اُس لڑکے نے اُس کی باتیں صرف سنی تھیں اُن پر توجہ نہیں دی تھی۔
''ان شاء اللہ..... حسنِ جہاں بھی سیٹ پر جانے سے پہلے یہی کہتی تھی سلطان سے۔ میں صدقہ دیتا تھا۔ خیرات کی دیگ بنتی تھی پھر حسنِ جہاں پاؤں رکھتی تھی سیٹ پر اور اگر کبھی مجھے وہم ہو جاتا نا کسی فلم یا پروڈیوسر کے بارے میں تو ساری دنیا ایک طرف ہو جاتی لیکن حسنِ جہاں پھر وہ فلم نہیں کرتی تھی۔''
سلطان کے سارے سابقے، سارے لاحقے، سارے حوالے حسنِ جہاں سے شروع ہو کر اُسی پر ختم ہو جاتے تھے۔ گفتگو کسی بھی زمانے کی کیوں نہ ہوتی۔
''تم کو بھی ایک ایک بات یاد ہے اپنے زمانے کی سلطان بھائی..... اس طرح دہراتے ہو جیسے کل کی بات ہو۔'' وہ لڑکا اب ہنس پڑا تھا اور اُس نے وہ کپڑا اپنی گردن کے گرد سے ہٹا دیا تھا جسے سلطان اُس کے سینے اور کندھوں کے گرد پھیلائے اُس کی پفنگ کر رہا تھا تاکہ میک اپ اُس کی سفید قمیص پر نہ لگے۔
''اپنا زمانہ کل بھی ہو تو بھی سب کو اچھا ہی لگتا ہے اور وہ بھی، وہ کل جو کبھی گزرتا ہی نہیں۔'' سلطان بڑبڑا کر

ہنسا تھا۔

''ہنر تو بڑا ہے سلطان بھائی! تمہارے ہاتھ میں..... پر پیسہ نہیں۔ اتنا نام بنایا تھا تم نے سلطان بھائی! تو تھوڑا پیسہ بھی بنا لیتے۔ میک اپ آرٹسٹ تو سیلون بنا لیتے ہیں اور کچھ نہیں تو گھر کی چھت ہی بنا لیتے۔'' اُس نوجوان کو پتا نہیں کیا خیال آیا تھا کہ سلطان کو چند نوٹ تھماتے ہوئے اُس نے ساتھ میں نصیحت بھی تھما دی تھی۔

''ٹھیک کہتے ہو تم..... سلطان کو پیسہ نہیں جوڑنا آیا۔ سلطان ہی سمجھتا رہا ساری عمر خود کو..... پتا ہی نہیں تھا۔ حسنِ جہاں کے سورج کی طرح میرا سورج بھی غروب ہو جائے گا۔'' اس نے جاتے ہوئے گاہک کو دیکھ کر سوچا اور گاہک کے بیرونی دروازے سے باہر جاتے ہی جھومر تالیاں بجا کر اندر آیا تھا۔

''سلطان بھائی! اتنی بڑی بات تم نے جھومر سے چھپا لی۔'' اُس نے آتے ہی اپنے مخصوص انداز میں تالی پیٹتے ہوئے اُس سے شکوہ کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

''کیا چھپا لیا تجھ سے جھومر؟'' سلطان نے اپنا میک اپ کا سامان سمیٹتے ہوئے کہا

''لو بھلا جھومر کو نہ پتا چلے گا کہ باجی مومنہ ہالی ووڈ کی فلم میں کام لینے گئی ہے۔'' جھومر نے دو تالیاں اور پیٹیں۔''

''تجھے کس نے بتایا ہے جھومر؟'' سلطان اُس کی بات پر ہنسا۔

''جھومر کیوں بتائے تجھے جب تُو نے نہیں بتایا۔ ارے اس محلے والے کچھ چھپا کر تو دکھائیں جھومر سے۔'' وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔ جھومر تھا تو مخنث لیکن محلے کے ہر گھر میں اُس کا آنا جانا تھا اور وہ محلے والوں کی خوشی اور غمی میں سب سے پہلے پہنچتا تھا۔

''بس جھومر! تو دُعا کرنا کوئی اچھی خبر لے کر آئے مومنہ۔ ہالی ووڈ میں کام مل جائے تو نصیب بدل جائے گا ہمارا۔ پھر جہانگیر کا علاج ہو جائے گا اور میرا بیٹا کام کرے گا فلموں میں ہیرو بن کر۔'' سلطان نے خوابوں کا چرخہ پھر سے کاتنا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

''نیہا آ جاتی ہے تو اُس سے بھی کاسٹیومز اور وارڈروب کا بجٹ ڈسکس کر لو..... پچھلی دفعہ اوور بجٹ ہو گئی تھی ہماری وارڈروب۔'' قلبِ مومن نے ٹینا اور داؤد سے کہا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھے اپنی اگلی فلم کے لیے ایکٹرز کی لُک ٹیسٹ اور وارڈروب کی ڈسکشن کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔

''اس بار ایک دو دوسری ڈایزائنرز بھی اپروچ کر رہی ہیں وارڈروب کے لیے۔ نیہا مان جائے تو ورائٹی بھی آ جائے گی اور وارڈروب کا بجٹ بھی کم ہو جائے گا کیونکہ اُن ڈیزائنرز کو تو صرف کریڈٹس میں اپنا نام چاہیے۔'' ٹینا نے مومن سے کہا۔ اُس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میرا نہیں خیال کہ نیہا مانے گی کریڈٹس کو شیئر کرنے کے لیے تو ہمیں وہ آپشن سوچنا ہی نہیں چاہیے۔'' بات کرتے کرتے مومن نے گھڑی دیکھی اور اُس نے ٹینا سے کہا۔

''نیہا کو اور کتنا ٹائم لگے گا آنے میں، ذرا چیک کرو..... ہماری تو میٹنگ ختم ہونے والی ہے اور وہ ابھی تک نہیں پہنچی۔'' وہ قدرے ناخوش تھا۔ اس سے پہلے کہ ٹینا کچھ کہتی، کمرے کا دروازہ کھول کر نیہا مسکراتی ہوئی ضوفی کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔

''ہیلو..... سوری! میں زیادہ لیٹ تو نہیں ہوئی۔'' اُس نے اندر آتے ہی مومن کو مخاطب کیا۔

''بس ایک گھنٹہ۔'' مومن نے جواباً کہا تھا۔ ضوفی کو دیکھ کر اُس کے ماتھے پر بل پہلے ہی آ گئے تھے۔

''اچھا۔ پھر تو ٹائم پر ہی ہوں میں۔'' نیہا نے ہنستے ہوئے کندھے اُچکائے اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ ضو

نے بھی یہی کیا تھا۔

''داؤد! جو شہلا کی پریزنٹیشن ہے وہ چلا دیں..... ایکسکیوزمی۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کچھ دیر کے لے ویٹنگ روم میں بیٹھ جائیں..... ہم لوگ یہ میٹنگ ختم کرلیں۔'' مومن نے پہلا جملہ داؤد سے اور اُس کے بعد ہونے والی ساری بات ضوفی سے مخاطب ہوکر کی تھی۔ جس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزرا تھا اور وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن نیہا نے اُسے روک دیا۔

''تم سے ملوانا تھا میں نے ضوفی کو آج۔ بات ہوئی تھی نا تم سے میری۔''

''آج تو بہت مصروف ہوں میں، اس میٹنگ کے فوراً بعد فنانسرز کے ساتھ میٹنگ لائن اپ ہے میری۔'' مومن نے صاف انکار کیا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس وقت ضوفی پر کیا گزر رہی تھی۔

''صرف دس پندرہ منٹ ہی کی تو بات ہے۔'' نیہا نے اصرار کیا تھا۔

''مجھے اگر پہلے پتا ہوتا تو ضرور، لیکن آج تو پانچ منٹ کے لیے بھی فارغ نہیں ہوں میں۔'' مومن بھی بدلحاظی کی انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔

''ٹینا! تم دو دن بعد ضوفی کے ساتھ میری میٹنگ شیڈول کردو..... آئی ہوپ اٹس اوکے ود یو ضوفی۔''

اُس نے نیہا کو صاف جواب دے کر پہلے ٹینا اور پھر ضوفی کو مخاطب کیا۔ جس کا رنگ اس وقت اُڑا ہوا تھا اور اُس نے قلبِ مومن کی اس آفر کو بے حد خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے جیسے گھٹنے ٹیکے۔

''نو پرابلم ایٹ آل۔ ڈیٹس اوکے۔''

ٹینا نے اپنے سامنے پڑے لیپ ٹاپ میں ضوفی کی اپائنمنٹ نوٹ کرنا شروع کی ہی تھی کہ یک دم نیہا اپنا بیگ اُٹھا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''ایسا کرو، تم میری اپائنمنٹ بھی دو دن بعد ہی کی کردو کیونکہ آج تو میں بھی اس میٹنگ میں نہیں بیٹھ سکوں گی۔ مجھے بھی کہیں جانا ہے۔'' نیہا نے ضوفی کے اُٹھتے ہی اپنے تیور دکھائے تھے۔

''بائے۔'' وہ کہہ کر سیکنڈوں میں کمرے سے باہر گئی تھی۔ ضوفی اُس سے پہلے ہی کمرے سے نکل چکا تھا۔

''نیہا..... نیہا۔'' مومن نے اُسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نکلتی چلی گئی۔ مومن اُٹھ کر اُس کے پیچھے گیا تھا۔

وہ کمرے کے کے دروازے سے باہر نکلی ہی تھی جب مومن نے اُس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

''یہ کیا Childish Behaviour (بچکانہ رویہ) ہے؟'' مومن نے بڑی خفگی سے دبی آواز میں کہا۔

نیہا نے اُس کا ہاتھ جھٹک کر اپنا بازو اُس سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

''بی ہیو یور سیلف۔ اگر تمہیں دوسروں کا احساس نہیں ہے تو دوسرے کیوں تمہارا احساس کریں۔'' اُس کے لہجے میں بے حد تلخی اور غصہ تھا۔

''تم اُس لڑکے کی وجہ سے مجھ سے جھگڑا کر رہی ہو؟'' قلبِ مومن کو جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں کر رہی ہوں..... تو؟'' اُس نے بڑی بدتمیزی سے کہا اور تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئی۔

زندگی میں پہلی بار مومن کو ایسے رویے کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ کوئی اُس پر کسی دوسرے کو ترجیح دیتا اور وہ بھی وہ جو اُس کی منگیتر تھی۔ گلاس وال سے اُس نے نیہا کو ضوفی کے ساتھ دور جاتے دیکھا تھا، ماؤف ذہن کے ساتھ۔

☆☆☆

میز کے دوسری طرف بیٹھے اُن دونوں افراد نے آپس میں چند سرگوشیاں کی تھیں پھر اُس انڈین نژاد امریکن عورت نے مومنہ سے انگلش میں کہا۔

"تم گونگی اور بہری ہو اور تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی دوست کو قتل ہوتے دیکھا ہے اور تم چھپ کر اپنی زندگی بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

مومنہ نے بغور اُس عورت کی ہدایات کو سنا تھا اور اُس کا دل ڈوبا۔ تو اُس کے کوئی ڈائیلاگز ہی نہیں تھے اور وہ اُسے بغیر ڈائیلاگز کے پرفارم کرنے کے لیے کہہ رہے تھے۔

"لگتا ہے وقت ہی ضائع کیا یہاں آڈیشن کے لیے آ کر..... تین سینز کا رول ہے اور بغیر ڈائیلاگ کے..... میں کروں گی کیا۔" اُس نے اُلجھے ہوئے انداز میں سوچا تھا۔ وہ عورت اب اُسے سچوئشن سمجھا رہی تھی۔

"گونگی اور بہری لڑکی..... مومنہ اب ذہنی طور پر اُس کردار کے اندر اُتر رہی تھی جس کو کرنے کی اُسے اس وقت کوئی خواہش تھی نہ مل جانے کی اُمید.....

پھر بھی وہ پہلا سین پرفارم کرنے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کا آڈیشن بہت طویل ہو گیا تھا اور جب وہ آڈیشن کے بعد باہر نکلی تھی تو باہر موجود آڈیشن کے لیے منتظر دوسری فنکاروں نے اُس سے سوال جواب کرنے شروع کر دیے تھے۔ سب کو یہ تجسس تھا کہ اُس کا آڈیشن اتنا لمبا کیوں ہوا تھا۔

اُسے باہر آئے ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے جب اندر سے ایک لڑکے نے باہر آ کر اُس کے بہت قریب مدھم آواز میں اُس سے ایک دوسرے کمرے میں چلنے کے لیے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے اُس کے ساتھ اُس دوسرے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہاں وہ انڈین امریکن عورت پہلے سے موجود تھی جو آڈیشن لینے والی ٹیم میں بھی شامل تھی۔ وہاں بیٹھے اُس نے اس بار مومنہ سے بڑے دوستانہ انداز میں بات کرتے ہوئے اُس سے اپنا تعارف کروایا اور پھر اُس سے پوچھا۔

"آپ کچھ دن اور لاہور میں رہ سکتی ہیں؟" مومنہ اس بار چونکی تھی۔

"ہاں مگر کیا میں اس آڈیشن کے نتیجے کے بارے میں پوچھ سکتی ہوں؟"

وہ عورت جواباً مسکرائی اور اُس نے کہا۔ "کاسٹنگ ایجنٹ ہی اس سلسلے میں آپ سے بات کرے گا مگر فی الحال ہم آپ کا یہاں قیام بڑھا رہے ہیں اور آپ کو یہیں پی سی میں ٹھہرا رہے ہیں۔"

وہ خوشی کی ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہوئی تھی، دل کی تیز رفتار دھڑکن کے ساتھ۔ تو کیا وہ کاسٹ کر لی گئی تھی؟ اُس نے آڈیشن پاس کر لیا تھا؟ وہاں بیٹھے مومنہ سلطان کا دل خوشی سے اُچھلا تھا اور پھر جیسے بے یقینی سے رُکا تھا۔ جہانگیر کا چہرہ اُس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔ کیا واقعی ایک معجزہ ہو گیا تھا..... ہالی ووڈ کی فلم؟

آدھ گھنٹہ کے بعد اُسی کمرے میں کاسٹنگ ایجنٹ موجود تھا۔ وہ ایک پاکستانی تھا اور اُس نے مومنہ کو یہ خوش خبری سنا دی تھی کہ وہ آڈیشن میں منتخب ہو چکی ہے۔ پہلی کال جو مومنہ سلطان نے وہاں سے کی تھی وہ اقصیٰ کو کی تھی جو یہ خبر سن کر دوسری طرف شاید خوشی سے چھلانگیں لگانے لگی تھی۔

"میں نے کہا تھا تمہیں..... دیکھو میں نے کہا تھا نا۔ آئی ایم سو پراؤڈ آف یو۔" وہ فون پر چلّا رہی تھی اور مومنہ ہنس رہی تھی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے اقصیٰ! صرف تمہاری وجہ سے آج میں یہاں کھڑی ہوں۔" مومنہ اُس سے اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"بس بس کوئی ضرورت نہیں ان فضول باتوں کی..... کانٹریکٹ سائن ہو گیا کیا؟"

"کل ہو گا۔"

"آنٹی اور جہانگیر کو بتایا ہے؟"

مومنہ ہنسی اور اُس نے کہا۔

"نہیں۔ ابھی نہیں بتایا، انہیں کراچی جا کر خود بتاؤں گی، سرپرائز دوں گی۔"

"زندگی بدلنے والی ہے مس مومنہ سلطان! تمہاری...... اب مجھے پہچاننا مت بھولنا۔" اقصیٰ نے اُسے جیسے تنگ کیا تھا اور وہ ہنس پڑی تھی۔

اور زندگی بدلنے کا یقین اسے تب تک نہیں آیا تھا جب تک اگلے دن اس نے اپنے سامنے پڑا وہ کانٹریکٹ نہیں دیکھا تھا جس پر دس ہزار ڈالر کی سائننگ اماؤنٹ کا اندراج تھا۔ اس کانٹریکٹ پر سائن کرتے ہوئے اس کا ہاتھ کانپنے لگا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا اب تک ملنے والا سب سے بڑا معاوضہ تھا اور یہ معاوضہ نہیں تھا۔ یہ اس کی زندگی کے سب مسئلوں کا حل تھا۔ زندگی واقعی اب بدلنے جا رہی تھی۔ وہ اس رقم سے بڑے آرام سے جہانگیر کے گردے ٹرانسپلانٹ کروا لیتی۔ اتنے آرام سے کہ...... اسے بے اختیار رونا آیا تھا اور کاسٹنگ ایجنٹ پریشان ہوا تھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ بس میں کچھ جذباتی ہوگئی تھی۔"

وہ آنسوؤں کے درمیان ہنسی تھی۔ دونوں ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں اور گال کسی بچے کی طرح رگڑتے ہوئے اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اڑ کر واپس کراچی جا پہنچے اور خوشی کے اس لمحے کو ثریا، سلطان اور جہانگیر کے ساتھ منائے اور اسی جذباتیت میں اس نے اس خبر کو سرپرائز رکھنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا۔

اس نے جہانگیر کے سیل فون پر کال ملانی شروع کی۔ نمبر آف تھا۔ پھر باری باری اس نے سلطان اور ثریا کے نمبر ملانے شروع کیے، کسی نے اس کی کال ریسیو نہیں کی۔

اس نے اقصیٰ کو فون کیا اور کانٹریکٹ سائن کرنے کی خبر بریک کی۔ اسے اس بار اقصیٰ کا رد عمل بے حد عجیب سا لگا تھا۔

"تم واپس کب آرہی ہو؟" اقصیٰ نے اس سے پوچھا تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

''کل رات فلائٹ ہے میری۔'' مومنہ نے اسے بتایا۔
''بس ٹھیک ہے پھر کل بات کرتے ہیں مل کر۔'' اقصیٰ نے جواباً اس سے کہا۔

''سنو اقصیٰ! تم پریشان ہو کیا؟ سب خیریت تو ہے؟'' مومنہ اُس سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔
''ہاں ہاں..... بالکل خیریت ہے، بس ایک سیٹ پر لڑائی ہو گئی تھی میری تو اس لیے۔'' اُس نے فوراً
پیشتر مومنہ سے کہا۔
''تم آرام سے اپنا کام کرو۔ ٹینشن مت لو۔'' مومنہ کچھ مطمئن ہوئی۔
''میں اماں اور ابا کو فون کر رہی ہوں، وہ کال ریسیو نہیں کر رہے۔ جہانگیر کا فون بھی آف ہے۔'' اُس
اقصیٰ سے کہا۔
''اچھا۔ میں صبح کوشش کرتی ہوں کہ تمہاری بات کرواؤں۔ میری تو آج ہی بات ہوئی تھی ثریا آنٹی سے
اقصیٰ نے جواباً کہا۔
''تم نے اُنہیں بتا دیا؟'' مومنہ نے بے اختیار کہا۔
''نہیں بالکل بھی نہیں۔ بس تم آجاؤ تو بتا دینا۔''
اقصیٰ کے لہجے میں عجیب بے ربطی سی محسوس ہوئی تھی اُسے مگر وہ اُس سے زیادہ دیر بات نہیں کر سکی۔ اُسے
فلم کی ٹیم کے ساتھ بیٹھنا تھا اور اگلے دن رات تک یہ مصروفیت اسی طرح چلتی رہی اور بالآخر جب وہ کراچی ایئر
پورٹ پر اُتری تھی تو اُس نے سکون کا سانس لیا تھا۔
ایئر پورٹ پر داؤد اور اقصیٰ نے اُسے ریسیو کیا تھا۔ اقصیٰ اُسے دیکھتے ہی اُس سے لپٹ گئی تھی اور اُس نے
رونا شروع کر دیا تھا۔ مومنہ نے ہنس کر اُسے خود سے الگ کیا۔
''اچھا اچھا۔ اب اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم بہت خوش ہو مگر یہ سب
تمہاری وجہ سے ہی ہوا ہے اور اب رونا بند کرو ورنہ میں بھی رو پڑوں گی۔''
اُس نے اقصیٰ سے کہا تھا اور داؤد نے آگے بڑھ کر اقصیٰ کو اُس سے الگ کیا تھا۔
گاڑی میں بیٹھے داؤد اُس سے چھوٹے چھوٹے سوال کرتا رہا اور وہ اُسے بڑے پُرجوش انداز میں تفصیلات
بتاتی رہی مگر اس نے نوٹس کیا تھا، اقصیٰ مسلسل خاموش ہی تھی۔ وہ بول نہیں رہی تھی۔
''تم نے غلط ٹرن لے لیا داؤد..... اس طرف سے تو گھر نہیں آئے گا۔''
ایک غلط موڑ مڑنے پر اُس نے داؤد کو ٹوکا تھا اور داؤد نے جواباً اُس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ مومنہ کو لگا شاید
اُسے وہاں کچھ کام تھا۔ وہ اب ایک ہاسپٹل کے اندر چلا آیا تھا۔ مومنہ تب بھی کچھ نہیں بولی لیکن اُس کی چھٹی حس
نے اچانک اُسے الارم دینا شروع کیا تھا۔ اماں ابا تین دن سے فون نہیں اُٹھا رہے۔ جہانگیر کا فون بند تھا اور داؤد
اُسے ہاسپٹل کیوں لایا تھا۔ کیا جہانگیر کی طبیعت خراب تھی۔ اُس کا دل جیسے حلق میں آیا تھا۔ پھر داؤد نے گاڑی
ایک جگہ کھڑی کر دی تھی۔
مومنہ نے اُس عمارت کے اوپر لگی عبارت پڑھی۔ وہ مردہ خانہ تھا۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ